ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

5

www.tanzeem.org

2 تا 8 جمادی الاوّل 1438ھ/ 31 جنوری تا 6 فروری 2017ء

باطل نظام ہائے زندگی اور اخلاقی بگاڑ

یہ ایک عملی حقیقت ہے کہ ہمیشہ اس کرۂ ارض پر ایسی قوتیں رہی ہیں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسلامی نظام زندگی اس دنیا میں قدم نہ جما سکے۔ اس لیے کہ دنیا کے جس قدر غیر اسلامی نظام ہیں ان کے کچھ مفادات و امتیازات ہوتے ہیں۔ یہ نظام بعض کھوٹی اور جھوٹی قدروں پر قائم ہوتے ہیں۔ جب بھی دنیا میں اسلامی نظام قائم ہوتا ہے ایسی قوتوں کے مفادات ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ باطل نظام ہائے زندگی انسانی نفوس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انسانوں کو انسانی سطح سے نیچے گرا کر' ان کے اندر اخلاقی بگاڑ پیدا کر کے' اور ان کو حقیقت سے جاہل رکھ کر اسلامی نظام کی مخالفت میں لا کھڑا کر دیتے ہیں۔ یوں عوام الناس اپنی جہالت کی وجہ سے اسلام کی راہ روکنے لگتے ہیں۔ چنانچہ شر کا زور ہوتا ہے اور باطل پھولا ہوا دکھائی دیتا ہے اور شیطان کی چالیں بہت گہری ہوتی ہیں۔ اندریں حالات قرآن حاملین ایمان اور اسلامی منہاج حیات کے علمبرداروں کے لیے اعلیٰ اخلاقی معیار تجویز کرتا ہے تاکہ وہ شر اور شیطان کے ایجنٹوں سے اچھی طرح مقابلہ کر سکیں۔ ان کی اخلاقی حالت مضبوط ہو' وہ دشمنوں کے خلاف لڑ سکیں اور ہر وقت ایسی جنگ کے لیے تیار ہوں جو ان پر اسلام کے دشمن مسلط کر دیں۔ یہی ایک ضمانت ہے جس کی وجہ سے دعوت اسلامی کی راہ نہیں رُکتی' اور اسلامی نظام قائم ہوتا ہے۔

سید قطب شہید

اس شمارے میں

قطری خطوط کا قطار اندر قطار نزول اور ہماری عدلیہ

امت مسلمہ کا اصل مشن اور ہمارا طرزِ عمل

برقِ ستم

علم کی فضیلت و اہمیت

مسلمان پر قرآن مجید کے پانچ حقوق

ڈونلڈ ٹرمپ اور اس کی ٹیم: توقعات اور خدشات

ویلنٹائن ڈے: ایک بیہودہ رسم

ذوالقرنین کی فتوحات

سُورۃُ الکہف | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات: 84 تا 86

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (۸۴) فَاَتْبَعَ سَبَبًا (۸۵) حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا (۸۶)

آیت ۸۴ ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (۸۴)﴾ ''ہم نے اسے زمین میں تمکن عطا کیا تھا اور اُسے ہر طرح کے اسباب و وسائل مہیا کیے تھے۔''

آیت ۸۵ ﴿فَاَتْبَعَ سَبَبًا (۸۵)﴾ ''تو اُس نے ایک (مہم کا) سروسامان کیا۔''

آیت ۸۶ ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ تک پہنچا''

یہ ذوالقرنین کی مغربی علاقوں پر لشکر کشی کا ذکر ہے جب وہ پیش قدمی کرتے ہوئے بحیرۂ روم (Mediterranian Sea) کے ساحل تک جا پہنچے۔ چونکہ اُس زمانے میں ان لوگوں کو پوری دنیا کا نقشہ معلوم نہیں تھا اس لیے وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم اس سمت میں دنیا یا زمین کی آخری سرحدوں تک پہنچ گئے ہیں اور اس سے آگے بس سمندر ہی سمندر ہے۔ وہاں ساحل پر کھڑے ہو کر انہیں سورج بظاہر سمندر میں غروب ہوتا ہوا نظر آیا اور اس طرح وہ اس جگہ کو مَغْرِبَ الشَّمْسِ (سورج کے غروب ہونے کی جگہ) سمجھے۔

﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ ''اُس نے اسے غروب ہوتے ہوئے پایا ایک گدلے چشمے میں'' اس سے Aegean Sea مراد ہے جس کا پانی بہت گدلا ہے۔

﴿وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ﴾ ''اور اُس نے پایا وہاں ایک قوم کو۔''

یعنی اس علاقے کو جب انہوں نے فتح کر لیا تو وہاں بسنے والی قوم ان کی رعایا بن گئی۔

﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا (۸۶)﴾ ''ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! تم چاہو تو انہیں سزا دو اور چاہو تو ان (کے بارے) میں حسن سلوک کا معاملہ کرو۔''

یعنی آپ نے اس علاقے کو بزور بازو فتح کیا ہے' اب یہاں کے باشندے آپ کے رحم و کرم پر ہیں' آپ کو ان پر مکمل اختیار ہے۔ آپ چاہیں تو ان پر سختی کریں اور آپ چاہیں تو ان کے درمیان حسن سلوک کی روایت قائم کریں۔

فرمان نبویؐ

مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم : ((مَنِ اغْتِيْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَّمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ))

(رواه البغوى فى شرح السنه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلم بھائی کی غیبت اور بدگوئی کی جائے اور وہ اس کی نصرت وحمایت کر سکتا ہو تو کرے (یعنی غیبت و بدگوئی کرنے والے کو اس سے روکے یا اس کا جواب دے اور مداخلت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا۔ اور اگر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی نصرت وحمایت نہ کرے (نہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکے نہ جواب ہی اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو اس کی کوتاہی پر پکڑے گا (اور اس کی سزا دے گا)۔

تشریح: اس حدیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک بندۂ مسلم کی عزت و آبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر محترم ہے، اور دوسرے مسلمانوں کے لیے اس کی حفاظت وحمایت کس درجہ کا فریضہ ہے، اور اس میں کوتاہی کس درجہ کا سنگین جرم ہے۔

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

2 تا 8 جمادی الاوّل 1438ھ — جلد 26
31 جنوری تا 6 فروری 2017ء — شمارہ 05

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ------------------ (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطری خطوط کا قطار اندر قطار نزول اور ہماری عدلیہ

1947ء میں جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو امریکہ اور یورپ میں جمہوریت بطور طرزِ حکومت اپنے پنجے بڑی مضبوطی سے گاڑھ چکی تھی۔ ہندوستان اگرچہ برطانوی غلامی میں جکڑا ہوا تھا لیکن انگریز نے بدلتی ہوئی صورتِ حال کو دیکھ کر ہندوستان کو آزاد کرنے سے پہلے ہی جمہوری طرزِ حکومت کا محدود سطح پر آغاز کر دیا تھا۔ 1937ء میں پہلے صوبائی انتخابات ہوئے جس میں کانگرس نے شاندار کامیابی حاصل کی اور تمام گیارہ صوبوں میں حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئی جبکہ مسلم لیگ بدترین شکست سے دوچار ہوئی۔ 1946ء میں پھر انتخابات کا انعقاد ہوا، اب کہ مسلم لیگ نے مسلمان نشستوں پر ریکارڈ کامیابی حاصل کر کے اپنے دشمنوں سے بھی منوا لیا کہ مسلمانانِ ہند کی اصل نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے جس کی سربراہی قائداعظم محمد علی جناح جیسی عظیم نابغہ روزگار شخصیت کر رہی تھی۔ اس پس منظر میں پاکستان میں جمہوری طرزِ حکومت کا نفاذ قابل فہم ہے اور شاید پارلیمانی نظام بھی اسی لیے اپنایا گیا کیونکہ برطانیہ میں پارلیمانی نظام کارفرما تھا۔ یہ بات حیران کن ہے کہ اگرچہ قائداعظم محمد علی جناح ریاستِ پاکستان کے فطری سربراہ تھے، وہ اپنے لیے جو عہدہ پسند کرتے، حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن پارلیمانی طرز حکومت میں جب وزیراعظم چیف ایگزیکٹو ہوتا ہے، وہ گورنر جنرل کیوں بنے؟ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قائداعظم سمجھتے ہوں کہ اُن کی صحت کی کیفیت اب ایسی نہیں ہے کہ نوزائیدہ ریاست کو جس قدر محنت کی ضرورت ہے وہ اتنی محنت کر سکیں گے۔ بہرحال پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت قائم ہو گیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جمہوریت کے حوالہ سے پاکستان میں آغاز بُرا ہرگز نہ تھا۔ انتظامیہ، مقنّنہ اور عدلیہ میں بڑے اچھے اور شاندار کردار کے حامل لوگ آگے لائے گئے۔ سیاسی حکومت میں خود وزیراعظم لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی اور عبدالستار پیرزادہ جیسے اچھی شہرت کے حامل وزیر بنے۔ آئین ساز اسمبلی میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسی ایک ہی شخصیت ایسی تھی جو ساری اسمبلی پر بھاری تھی۔ بہرحال خواجہ ناظم الدین جیسے سادہ اور مخلص لوگ بھی تھے۔ عدلیہ میں سر عبدالرشید چیف جسٹس تھے۔ جنہوں نے وزیراعظم لیاقت علی خان کی چائے کی دعوت صرف اس لیے رد کر دی تھی کہ وہ حکومت کے خلاف ایک مقدمہ سن رہے تھے۔ جسٹس کارنیلس عیسائی تھے لیکن اُنہوں نے عدلیہ میں روشن مثالیں قائم کیں۔ لیکن بدقسمتی سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر سطح پر پاکستان زوال پذیر ہوا۔ سیاست دانوں نے ایسی ایسی قلابازیاں کھائیں کہ ہمیں اپنی سیاسی تاریخ میں شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ یہ بھی پاکستان میں ہوا کہ رات کو ایک سیاسی جماعت کی ری پبلکن پارٹی کے نام سے تشکیل دی گئی، صبح کو سرکاری پارٹی کے قریباً تمام اسمبلی ممبران اپنی پارٹی چھوڑ کر اُس نئی جماعت میں منتقل ہو گئے۔ سیاسی عدمِ استحکام کا یہ عالم تھا کہ ہمیں پنڈت نہرو کا یہ طعنہ سننا پڑا کہ میں اتنے کپڑے نہیں بدلتا، جتنی پاکستان میں حکومتیں بدلتی ہیں۔ انتظامیہ میں غلام محمد اور سکندر مرزا جیسے لوگ آئے جنہوں نے حکومتیں اور اسمبلیاں معطل کیں اور خود پاکستان کے حکمران بن بیٹھے۔

عدلیہ کے زوال کا ذکر ہم کچھ تفصیل سے کریں گے اس لیے کہ آج ایک بار پھر عدلیہ کڑے امتحان سے گزر رہی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ہماری عدلیہ خود اس وقت کٹہرے میں کھڑی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ عدلیہ کا پہلا فیصلہ جس نے عدلیہ کے دامن کو داغدار کیا وہ مولوی تمیز الدین کیس میں سپریم کورٹ کا فیصلہ تھا۔ نظریۂ ضرورت کے تحت یہ پہلا فیصلہ تھا۔ اُس کے بعد ہماری قابل احترام عدلیہ نے چار مارشل لاؤں کو نظریۂ ضرورت کے تحت قانونی طور پر جائز تسلیم کیا۔ نہ صرف یہ کہ مارشل لاؤں کو قانونی جواز مہیا کیا بلکہ ان فوجی طالع آزماؤں کو جنہوں نے حکومتوں پر شب خون مار کر غاصبانہ قبضہ کیا تھا۔ اُنہیں یہ حق بھی عطا کر دیا کہ ایک شخص یعنی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جب چاہے اور جیسے چاہے آئین میں ترمیم بھی کر سکتا ہے سوائے پہلے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ایوب خان کے جنہوں نے آئین کو صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا تھا' نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ گویا کسی ترمیم کا حق لینے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ حالانکہ 1956ء کا یہ آئین نو سال کی جدوجہد کے بعد مشرقی اور مغربی پاکستان نے مشترکہ اور متفقہ طور پر بنایا تھا۔

عدلیہ نے اور بہت کچھ کیا لیکن ہم مزید صرف ایک کیس کا حوالہ دیں گے۔ ذوالفقار علی بھٹو جو کہ ایک منتخب وزیراعظم تھے اُنہیں عدالت کے ذریعے پھانسی دلائی گئی۔ یہ بات ایک عرصہ تک تو زیر بحث رہی کہ بھٹو نے احمد رضا قصوری کے والد کو قتل کروایا تھا یا نہیں کروایا تھا' لیکن جب چیف جسٹس نسیم حسن شاہ نے میڈیا پر آ کر خود تسلیم کر لیا، وہ خود اُس بنچ کا حصہ تھے جس نے بھٹو کو پھانسی دینے کا فیصلہ کیا تھا' کہ بنچ پر اس مقدمہ کے فیصلہ کے حوالہ سے زبردست پریشر تھا کہ بھٹو کو سزائے موت دی جائے۔ گویا پاکستان پیپلز پارٹی جو یہ بات کہتی ہے کہ یہ ایک جوڈیشل مرڈر (عدالتی قتل) تھا اُسے خود فیصلہ کرنے والوں نے قبول کر لیا تو دوسروں کے لیے بحث کی گنجائش کیا رہ گئی۔ عدالتی تاریخ کے حوالہ سے ایک جست لگا کر یعنی بہت سے ایسے فیصلے جو طاقتوروں کے حق میں کیے گئے تھے اُنہیں چھوڑتے ہوئے ہم پانامہ لیکس کے مقدمہ کو زیر بحث لاتے ہیں۔ جب تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے سپریم کورٹ میں وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف کے خلاف ایک درخواست دی کہ وہ کرپشن کے مرتکب ہوئے ہیں تو سپریم کورٹ کے رجسٹرار نے اس درخواست کو مزاحیہ اور غیر سنجیدہ قرار دے دیا لیکن جب اسلام آباد کے لاک ڈاؤن کرنے کی وجہ سے ملک میں افراتفری پھیلی اور حالات مزید خراب ہوتے دکھائی دے رہے تھے تو عدلیہ نے اُسی درخواست کے حوالہ سے از خود نوٹس لے لیا جسے مزاحیہ اور غیر سنجیدہ قرار دیا تھا اور چیف جسٹس انور ظہیر جمالی نے اس درخواست کی سماعت کے لیے بنچ بنایا اور خود اُس کے سربراہ بن گئے حالانکہ اُنہیں معلوم تھا کہ وہ 30 دسمبر 2016ء کو ریٹائر ہو رہے ہیں اور پھر ایک ایسا فیصلہ صادر فرمایا کہ دنیا دانتوں میں انگلیاں دے کر رہ گئی۔ وہ یہ کہ چونکہ چیف جسٹس ریٹائر ہو رہے ہیں لہٰذا سماعت کو پورا وقت نہیں دیا جا سکے گا اور یہ بنچ ٹوٹ گیا ہے۔ اب نیا بنچ نئے سرے سے سماعت کرے گا اور اب تک کی تمام کارروائی کالعدم قرار دی جاتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب آپ کو معلوم تھا کہ آپ ریٹائر ہونے والے ہیں تو بنچ میں شامل کیوں ہوئے اور وقت اگر کم تھا تو روزانہ کی سماعت کی بجائے دس دس بارہ بارہ دنوں کے وقفے کیوں ڈالے گئے؟

بہر حال ہم اُس بدتمیزی کی تو کسی صورت حمایت نہیں کر سکتے جو اس عجیب و غریب فیصلے پر ججوں کے خلاف کی گئی لیکن ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ایسے اعلیٰ اور پُروقار مناصب پر فائز لوگوں کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ نئے چیف جسٹس نے اس کیس کی اہمیت اور حساسیت کو سمجھتے ہوئے حلف اٹھاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ بنچ بنا دیا جو روزانہ کی بنیاد پر سماعت کر رہا ہے۔ ہم کیس کی Proceeding پر کوئی تبصرہ کر کے توہین عدالت کی لپیٹ میں نہیں آنا چاہتے۔ بہر حال اتنا ضرور عرض کریں گے کہ تحریک انصاف منی لانڈرنگ اور کرپشن کے حوالے سے کوئی ثبوت دے سکے یا نہ دے سکے' ویسے بھی قانونی ماہرین کا اس پر اجماع ہے اور عدالت نے بھی تسلیم کیا ہے کہ بارِ ثبوت شریف فیملی پر ہے کیونکہ اُنہوں نے اُس جائیداد کی ملکیت تسلیم کر لی ہے جس کے حوالہ سے تمام الزامات لگائے گئے ہیں۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ایک جھوٹ انسان کو کئی جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ شریف فیملی کے بیانات میں بہت تضادات ہیں۔ بہن بھائیوں اور والدین نے جائیداد کی خریداری کے حوالے سے متضاد بیانات دیے۔ ویسے بھی ایک نامور اور حکمران فیملی ہونے کی وجہ سے پاکستان کے بے شمار لوگوں کو معلوم ہے کہ شریف فیملی نے لندن میں مے فیئر فلیٹ 1990ء کی دہائی میں خریدے تھے۔ اُن کے بہت سے دوست احباب اور عزیز و اقارب گزشتہ صدی کے آخری ماہ و سال میں ان انتہائی قیمتی فلیٹس میں رہائش پذیر بھی ہوئے تھے اور آخری اور حتمی بات یہ کہ وزیر داخلہ چودھری نثار فلور آف دی ہاؤس پر کہہ چکے ہیں کہ بیس سال سے یہ فلیٹس میاں صاحب کی ملکیت ہیں لہٰذا خیال ہی نہیں یقین واثق ہے کہ میاں صاحب کو جھوٹ کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ البتہ یہ جو قطری شہزادے کے خطوط صحیفہ آسمانی کے طور پر نازل ہو رہے ہیں تو ان سے کوئی معجزہ رونما ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ جب صحیفے نازل ہوں تو معجزات بھی رونما ہوتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری موجودہ عدلیہ نظریۂ ضرورت پر تین حرف بھیجتے ہوئے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرے گی تاکہ مستقبل میں پاکستان کا کوئی حکمران کرپشن کر کے اپنی دولت ملک سے باہر بھیجنے کی جرأت نہ کرے اور جھوٹ کی لعنت سے بھی بچ جائے۔ اللہ جھوٹے پر لعنت بھیجتا ہے لہٰذا 62,63 کسی ملک کے آئین میں ہو یا نہ ہو، کسی کذب بیان کو نہ صرف حکمرانی کا حق نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کا کڑا احتساب بھی لازم ہے۔ ❁ ❁ ❁

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی!

مدیر ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' لاہور

ایوب بیگ مرزا

کے مدبرانہ' حکیمانہ' ناصحانہ' اداریوں کا حسین مرقع

بعنوان: **''حق گوئی''** شائع ہوگیا ہے

جس کے مطالعے سے عالمی اور ملکی حالات پر بصارت ہی نہیں' بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے اور عمل کے لیے ایک جذبہ محرکہ بھی پیدا ہوتا ہے

❁ 23x36 سائز کے 404 صفحات ❁ عمدہ پرنٹنگ ❁ دیدہ زیب نفیس ٹائٹل ❁ مضبوط جلد

قیمت صرف: **300** روپے

شائع کردہ: **مکتبہ خدام القرآن لاہور**

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-35869501

اُمت مسلمہ کا اصل مشن اور ہمارا طرزِ عمل

سورۃ الحج کی آیات 77، 78 کی روشنی میں

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے ایک خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ الحج کی آیات 77،78 کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! سورۃ الحج کے آخری رکوع کی آخری دو آیات میں مدنی قرآن کی دعوت کا خلاصہ آیا ہے۔ اور بات ”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا“ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اے ایمان والو! اور بعثت محمدیؐ کے بعد ایمان والے صرف وہی لوگ ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائیں۔ جو آپؐ کی رسالت کے منکر ہوں وہ مومن نہیں کافر ہیں جیسے یہود و نصاریٰ کہ وہ ایمان کے مدعی ہیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتے، لہٰذا ملت کفر میں شامل ہیں۔ پیغمبر آخرالزمانؐ کی بعثت کے بعد مسلمان صرف وہی ہوگا جو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو اور آپؐ پر نازل ہونے والے قرآن کو مانے۔ بہرحال جو لوگ آپؐ کی دعوت حق پر ایمان لے آئے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ایمان لانے کے بعد انہیں کیا کرنا ہے۔ اُن کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اِس حوالے سے یہاں دینی فرائض کا ایک جامع تصور دیا گیا ہے جو چار نکات پر مشتمل ہے، اور یہ تصور اس وقت دیا گیا جبکہ ابھی ہجرت کا سفر ہو رہا تھا اور آپؐ مدنی حیات کے دہانے پر کھڑے تھے۔ ابھی قرآن کے ایک تہائی حصہ کا نزول باقی تھا، جس میں خطاب مسلمانوں ہی سے ہونا تھا۔ چنانچہ اس تہائی قرآن کے نزول سے پہلے اس کا خلاصہ یہاں پر دے دیا گیا۔ ایک آؤٹ لائن دے دی گئی، اور آگے اسی کی تفصیلات آئیں۔

اِن چار دینی ذمہ داریوں میں سے تین کا بیان آیت 77 میں ہوا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ ”مومنو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اپنے رب کی بندگی کرو۔ اور نیکی (اور خیر) کے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“ اگر دنیا میں ان دینی تقاضوں کو پورا کرو گے تو پھر وہ عظیم نعمت تمہیں حاصل ہوگی جس کا عنوان جنت ہے۔ چوتھی ذمہ داری کا تذکرہ آیت 78 میں ہوا ہے اور یہ ذمہ داری ہے راہ خدا میں جہاد۔ فرمایا:

﴿وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِہٖ ط﴾

”اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔“

”جہاد کرو اللہ کے لیے“ ”فِی اللّٰہِ“ دراصل فی سبیل اللہ کا مخفف ہے۔ مراد ہے اللہ کی راہ میں ”in the cause of Allah“ یا یوں کہیے: ”for the cause of Allah“ اس کے لیے محنتیں کرو، جدوجہد کرو، کوششیں کرو۔ کشمکش، تصادم اور مجاہدہ اس میدان میں ہونا چاہیے۔ یہ تمہاری دینی ذمہ داریوں کی چوتھی سطح ہے۔ یہاں نوٹ کیجیے کہ اس رکوع کے پہلے جزو میں شرک کی مذمت اور اس کے سبب کے بیان کے ضمن میں الفاظ وارد ہوئے تھے: ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ط﴾ وہی اسلوب یہاں ہے: ﴿جَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِہٖ﴾ یہ محنت، کوشش، جدوجہد اور تصادم ہوگا اللہ کے لیے، جس پر تم ایمان لائے ہو، جسے تم نے اپنا مطلوب و مقصود اور محبوب حقیقی قرار دیا ہے، اور یہ جہاد اور مجاہدہ، کوشش اور یہ سعی اتنی ہونی چاہیے جتنا اور جیسا کہ اس کا حق ہے۔ یہ بات آپ جانتے ہیں کہ جہاد کا مطلب صرف قتال نہیں ہے۔ اگرچہ جہاد فی سبیل اللہ کی طرح قتال فی سبیل اللہ بھی قرآنی اصطلاح ہے، تاہم دونوں میں اس اعتبار سے فرق ہے کہ جہاد ایک کل ہے اور قتال جزو۔ جہاد ایک طویل پراسس ہے، جس کا آخری مرحلہ اور آخری منزل قتال ہے۔ قتال ہر وقت نہیں ہوتا جبکہ جہاد ایک جہد مسلسل کا نام ہے۔ مکی دور میں نبی اکرم ﷺ جو محنت کر رہے تھے اس کا عنوان ہی جہاد تھا۔ صبح سے شام تک آپؐ اور آپؐ کے جانثار صحابہؓ ایک محنت کر رہے تھے۔ آپؐ لوگوں کو ایمان کی دعوت دے رہے تھے۔ جواب میں لوگوں کی طرف سے طنز کے تیر چلائے جاتے، ذہنی اذیت دی جاتی۔ جو نوجوان ایمان لاتے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔ غلاموں کے طبقہ پر خاص طور پر بہیمانہ تشدد کیا جاتا تھا، مگر دفاع میں ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ حکم تھا کہ ہاتھ روکے رکھو اور ظلم و جبر اور تشدد کو برداشت کرو۔ اس لیے کہ ابھی جہاد بالسیف کا مرحلہ نہیں آیا تھا۔ مکی دور میں جو جہاد ہو رہا تھا وہ شمشیر قرآنی کے ذریعے جہاد تھا۔ اس کے لیے سورۂ فرقان میں فرمایا گیا: ﴿فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا کَبِیْرًا ﴾ (آیت: 52) ”تو تم کافروں کا کہا نہ مانو اور ان سے اس قرآن (کے حکم) کے مطابق بہت بڑا جہاد کرو۔“ مکی قرآن میں اصل خطاب حضور ﷺ سے تھا، اور آپؐ کے توسط سے امت کو پیغام دیا جاتا تھا۔ اس وقت تک اُمت کی باقاعدہ تشکیل نہیں ہوئی تھی۔ فرمایا کہ آپؐ ان کافروں کی مخالفت سے پریشان ہو کر کہیں ان کا دباؤ قبول نہ کر لیں، کوئی Compromise نہ کر بیٹھیے گا۔ یہ خطاب بظاہر حضور ﷺ سے ہے، لیکن اصل میں مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ استقامت کا مظاہرہ کرو، سختی اور تشدد سے گھبرا کر کفار کی باتوں میں نہ آ جاؤ بلکہ اُن سے قرآن کے ذریعے جہاد کرو۔ ٹھیک ہے، کفار کے مقابلے میں تمہارے ہاتھ تو روک دیئے گئے، تم ابھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتے، لیکن ایک جہاد تم کو بہرحال کرنا ہے۔ اس جہاد میں تمہاری شمشیر، شمشیر قرآنی ہے۔ پس توحید کی اور حق کی دعوت دیتے رہو اور اس کے نتیجے میں تم پر جو سختیاں آئیں، انہیں برداشت کرو۔ تو جہاد تو مکی دور سے

چل رہا تھا، البتہ مدینہ میں یہ جہاد اگلی منزل قتال میں داخل ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھ کھول دیئے گئے۔

مکی دور میں جو جہاد ہو رہا تھا، یہ ہر نبی اور رسول کی ذمہ داری رہی ہے۔ اگرچہ بہت سے انبیاء ورسل کی زندگی میں جہاد کا اگلا مرحلہ (قتال) نہیں آیا، لیکن ان کی ساری زندگی جہاد سے ہی عبارت تھی۔ صبح سے شام تک ایک محنت ہو رہی تھی۔ توانائیاں لگائی جا رہی تھیں۔ وقت لگا رہے تھے۔ پیسہ لگا رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں تک اللہ کی بات پہنچ جائے، اللہ کا پیغام پہنچ جائے۔ لیکن چونکہ آپؐ کی بعثت کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو گیا ہے، لہٰذا اب یہ کام مسلمانوں کے ذمے ہے۔ اسی لیے آگے الفاظ آئے ہیں:

﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ ''اس نے تمہیں چن لیا ہے''

کہ اے مسلمانو! اے ایمان کے دعوے دار اور اے ہمارے رسول محمدﷺ کے اُمتی ہونے کے دعوے دارو! تم اپنا مقام اور مرتبہ پہچانو' تم اُسی طرح چن لیے گئے ہو جس طرح رسولؐ چنے ہوئے ہیں۔ ایک مقصد عظیم کے لیے تمہارا انتخاب ہو گیا ہے۔ ختم نبوت کے باعث اب نہ کوئی نبی آنے والا ہے اور نہ ہی کوئی اور رسول مبعوث ہو گا۔ چنانچہ خلقِ خدا پر اللہ کی طرف سے اتمام حجت کا فریضہ اب اس اُمت کے سپرد کیا گیا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے رسولﷺ کی طرف منسوب کرتی ہے۔ گویا کہ وہ ہدایت جس کی تعلیم اللہ سے اوّلاً جبرئیلؑ نے حاصل کی تھی اور جسے محمد رسول اللہﷺ تک پہنچا دیا، اور پھر جسے پہنچایا محمد رسول اللہﷺ نے اُمت تک' اب اس اُمتِ محمدؐ یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا فریضہ منصبی ہے کہ وہ اسے پوری نوع انسانی تک پہنچائے۔ گویا امت کی حیثیت ایک کڑی (Link) کی سی ہے۔ اسے ایک عظیم مقصد کے لئے چن لیا گیا ہے۔ اُمت مسلمہ کا یہ 'اجتباء' یا چناؤ کس مقصد کے لیے ہوا؟ اس کا جواب آگے آ رہا ہے کہ تمہارے اس ''انتخاب'' (selection) کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ رسولؐ گواہ ہو جائیں تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ پوری نوع انسانی پر یہ مقصد عظیم ہے جس کے لیے تمہارا انتخاب ہوا ہے۔ لیکن اس جواب سے پہلے ایک ضمنی بات درمیان میں آ گئی ہے۔ چنانچہ جس اُمت پر یہ بھاری ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے اس کی ہمت بندھانے کے لیے کچھ ترغیب وتشویق کے انداز میں فرمایا گیا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ﴾

''اور اس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

ان الفاظ مبارکہ کا ایک عمومی مفہوم تو یہ ہے کہ یہ دین' دینِ فطرت ہے۔ خلافِ فطرت کوئی حدود اور قیود یہاں عائد نہیں کی گئیں۔ فطری تقاضوں کے اوپر کوئی غیر فطری بندش اور پابندی یہاں نہیں لگائی گئی۔ اس کی تعلیمات فطرت انسانی کے لیے معروف اور جانی پہچانی ہیں۔ ان سے انسان طبعاً مانوس ہے۔ اس پہلو سے یہ دین آسان دین ہے۔ اس میں کوئی تنگی نہیں' کوئی سختی نہیں' اس میں رہبانیت کی پابندیاں نہیں' اس میں نفس کو کچل دینے والی ریاضتیں نہیں' اس میں رسومات کا کوئی لمبا چوڑا طومار نہیں۔ بہت سادہ دین فطرت ہے۔ یہ مفہوم اُمت مسلمہ کے تمام افراد سے متعلق ہے' خواہ دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں' لیکن بالخصوص وہ لوگ جو قرآن کے اوّلین مخاطب تھے' جن سے اس اُمت محمدؐ کا نیوکلیس تیار ہوا' جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے اور اس ناتے سے ان کا رشتہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ جڑتا تھا' ان کے لیے اس پہلو سے بھی اس دین میں کوئی تنگی نہیں ہے کہ یہ تو ان کے جد امجد ابراہیمؑ کا طریقہ ہے۔ لہٰذا آگے فرمایا گیا:

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ﴾

''یہ تمہارے باپ ابراہیم کا طریقہ ہے''۔

تمہارے لیے اس کے قبول کرنے میں یا اس کے علمبردار اور پرچارک بننے میں کہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے' کوئی اجنبیت کا پردہ حائل نہیں۔ آگے ارشاد ہوتا ہے:

﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾

''اس نے تمہارا نام رکھا مسلمان' پہلے بھی اور اس میں بھی''۔

اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضرت ابراہیمؑ نے بھی اس اُمت کے لیے لفظ مسلمان تجویز کیا تھا۔ خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھاتے ہوئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ کی زبان پر یہ دعا جاری رہی: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ ''اے ہمارے ربّ! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار (مسلمان) بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک اُمت مسلمہ برپا کیجیو!'' تو تمہارا یہ نام تمہارے جد امجد نے رکھا ہے۔ اللہ نے بھی اس کتاب میں' اس کلام پاک میں تمہیں اسی نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ ضمنی مضمون تھا۔ اس کے بعد اگلے الفاظ مبارکہ کو جوڑ لیجیے: ﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ سے ان الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اے مسلمانو! تم جس عظیم مقصد کے لیے چنے گئے ہو وہ مقصد عظیم کیا ہے۔ فرمایا:

﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ﴾

''تاکہ ہو جائیں رسول گواہ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر''

رسول اللہﷺ نے تو ابلاغ وتبلیغ کا حق ادا کر دیا' انہوں نے اللہ کا کلام تمہیں پہنچا دیا خواہ اس راہ میں انہیں ماریں کھانی پڑیں' گالیاں سننی پڑیں' استہزاء اور تمسخر کا ہدف بننا پڑا' ان پر پتھروں کی بارش ہوئی' ان کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور خواہ انہیں اپنے قریب ترین اعزہ کی جانوں کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرنا پڑا۔ محمدﷺ نے اللہ کی توحید کی گواہی اس شان سے دی، اللہ کے کلام کا ابلاغ اس طور سے فرمایا کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ اللہ کے دین کی گواہی اپنے قول سے بھی دی اور عمل سے بھی دی، اور اس دین کے نظام کو عملاً برپا کر کے دکھا دیا' تاکہ کسی کے پاس کوئی عذر نہ رہے' کوئی یہ بہانہ پیش نہ کر سکے کہ اے اللہ مجھے معلوم نہ تھا کہ تو کیا چاہتا ہے! مسلمانوں، تکمیل دین اور اتمام نعمت کے ساتھ ہی بعثت انبیاء ورسل کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ نبی اکرمﷺ خاتم النبیین اور آخر المرسلین قرار پائے اور اب اللہ کے پیغام کو خلقِ خدا تک پہنچانے کی ذمہ داری تمہارے کاندھوں پر ڈال دی گئی۔ گویا اب کارِ نبوت' کارِ تبلیغ' کارِ دعوت' فرائض رسالت اور نوع انسانی پر اتمام حجت یہ تمام کام اب تمہیں سونپ دیا گیا ہے۔ قرآن میں امت مسلمہ کو امت وسط کہا گیا ہے۔ ''اُمت وسط'' کے دو معنی کیے گئے ہیں' ایک تو اس اعتبار سے کہ جو شے درمیانی ہوتی ہے' جو وسط کی ہوتی ہے' وہ بہترین ہوتی ہے۔ اس معنی میں اس کا ترجمہ ہو گا بہترین اُمت۔ سورۂ آل عمران کی آیت 110 اس مفہوم کی مزید تائید کر رہی ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ 'وسط' درحقیقت دو چیزوں کے مابین کڑی (Link) کو کہتے ہیں۔ گویا اب تم ایک کڑی (Link) کی حیثیت رکھتے ہو محمدﷺ کے اور پوری نوع انسانی کے مابین۔ جس طرح جبرئیلؑ کڑی تھے اللہ اور محمدﷺ کے درمیان! محمدﷺ نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا کر اتمام حجت کر دیا' اس پر تم سے شہادت اور گواہی بھی لے لی۔ اب تم واسطہ اور ذریعہ (Link) ہو اس پیغام کے آگے پہنچنے کا۔ اب تمہارے ذریعے اس پیغام کو آگے پہنچنا اور پھیلنا ہے۔ نوع انسانی پر اتمام حجت تمہارے ذریعے یہی ہونی ہے۔ تمہیں

’’اُمتِ وسط‘ بنایا گیا ہے۔ تمہیں بہر حال یہ شہادت علی الناس‘ یہ ابلاغ و تبلیغ دین‘ یہ دعوت اِلی اللہ کا فریضہ ادا کرنا ہے۔ یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ کی غایتِ اولیٰ اور مقصدِ اوّلین! یہ ہے وہ فرضِ منصبی جس کی ادائی کے لیے تمہیں بڑی محنت اور کوشش کرنی ہوگی‘ اس کے لیے جان و مال اور اوقات کا ایثار کرنا ہوگا۔ خلقِ خدا پر خدا کی طرف سے اتمامِ حجت کا حق تبھی ادا کیا جاسکے گا کہ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ اے اللہ تیرا پیغام ہم تک پہنچایا ہی نہیں گیا! یہ ہے وہ مقصدِ عظیم جس کے لیے شدومد کے ساتھ اس آیت میں جہاد کی تاکید کی گئی۔ اس آیت کی تفسیر میں گواہی کے حوالے سے اکثر علماء نے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے‘ جس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان قیامت کے دن دوسری امتوں کے خلاف اللہ کی عدالت میں بھی ایک گواہی دیں گے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اِس آیت کے حاشیے میں دونوں قسم کی گواہیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ’’پسند کیا تم کو اس واسطے کہ تم اور امتوں کو سکھاؤ اور رسول تم کو سکھائے اور یہ امت جو سب سے پیچھے آتی ہے تمام امتوں کی غلطیاں درست کرے اور سب کو سیدھی راہ بتائے۔ گویا جو شرف اس کو ملا ہے‘ اسی وجہ سے ہے کہ یہ دنیا کے لئے معلم بنے اور تبلیغی جہاد کرے۔ دوسرے مفسرین نے شہید کے معنی گواہ لیا ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری امتیں انکار کریں گی کہ پیغمبروں نے ہم کو تبلیغ نہیں کی اور پیغمبروں سے گواہ مانگے جائیں گے تو وہ امت محمدیہ ﷺ کو بطور گواہ پیش کریں گے۔ امت گواہی دے گی کہ بے شک پیغمبروں نے دعوت و تبلیغ کر کے خدا کی حجت قائم کر دی تھی۔ جب سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیں گے کہ ہمارے نبی نے اطلاع کی‘ جس کی صداقت پر اللہ کی کتاب (قرآن کریم) گواہ ہے۔ گویا یہ فضل و شرف اس لیے دیا گیا ہے کہ تم کو ایک بڑے عظیم الشان مقدمہ میں بطور معزز گواہ کے کھڑا ہونا ہے۔ لیکن تمہاری گواہی مجد و شرف کی سماعت اور وقعت بھی تمہارے پیغمبر کے طفیل ہے کہ وہ تمہارا تزکیہ کریں گے۔‘‘ یہ ہے اس اُمت کی ذمہ داری۔ صحابہ کرامؓ نے اس کو کیسے ادا کیا تھا۔ جب دین قائم ہوگیا تو انہوں نے شہادت علی الناس کے لیے جہاد و قتال کا راستہ اختیار کیا‘ اور علاقے فتح کرتے گئے۔ اس لیے کہ تب قتالِ حق کا ایک مضبوط کوڑا بن چکا تھا۔ وہ کوڑا پہلے تو مشرکین عرب پر برسا ہے اور وہاں پر اللہ کا دین قائم ہوا۔ اس کے بعد وہ سلطنت روما اور سلطنت فارس پر پڑا۔ ان کے ساتھ باضابطہ جہاد اور قتال ہوا‘ اور اللہ کا دین غالب ہوتا چلا گیا۔ لیکن صحابہؓ نے دین کو اللہ کی دھرتی پر قائم کرنے سے پہلے اپنے آپ پر قائم کیا۔ بہرکیف صحابہ ؓ نے جب دین قائم کر دیا تو اس کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں کہ واقعی یہی حق ہے۔ پھر انہیں قبول اسلام میں کوئی دیر نہیں لگی۔ چند سالوں میں کروڑوں لوگ مسلمان ہو گئے۔ یوں دین بھی غالب ہوگیا اور اسلام کا پوری شان سے پھیلاؤ بھی ہوا۔

یہ کام جواب ہمیں کرنا تھا‘ ہم اس سے یکسر غافل ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ نہ تو زبان سے اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں‘ نہ عمل سے نمونہ بن رہے ہیں‘ اور نہ تیسرے لیول پر دین کی گواہی دے رہے ہیں کہ دین کو قائم کرتے‘ بلکہ ہم تو عملاً اسلام کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہر میدان میں ہم دین کے خلاف کھڑے ہیں۔ دین سے بے وفائی اور غداری ملاحظہ کیجئے کہ کرۂ ارض پر 58 اسلامی ممالک موجود ہیں مگر کسی ایک جگہ بھی اللہ کا دین قائم اور غالب نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پوری دنیا کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اگرچہ ہمارا نظام سب سے اعلیٰ ہے‘ لیکن خبردار اس کے قریب نہ آنا‘ دیکھو ہماری مثال تمہارے سامنے ہے‘ ہم نے خود اس نظام کو کہیں قائم نہیں کیا اس لئے کہ (معاذ اللہ) آج کے دور میں یہ قابل عمل ہی نہیں ہے۔ قابل عمل ہوتا اور اس میں کوئی خیر کا پہلو ہوتا تو سب سے پہلے ہم خود اس کو اختیار کرتے۔ آج ہم پر جو ذلت و رسوائی مسلط ہے اُس کی وجہ ہی دین سے یہ شرمناک رویہ ہے۔ اس رویہ پر نظرثانی کی جانی چاہیے۔

اس آیہ مبارکہ کے آخری حصے میں فرمایا:

﴿فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾

’’پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔‘‘

یعنی اگر بات سمجھ میں آ گئی‘ اپنے فرائض دینی کا شعور حاصل ہو گیا‘ مطالبات دین کی چاروں سیڑھیاں اگر نگاہوں کے سامنے آ گئیں‘ تمہیں اگر معلوم ہو گیا کہ ایمان کا تقاضا کیا ہے تو بسم اللہ کرو! قدم بڑھاؤ اور عمل کا آغاز کر دو! پہلی سیڑھی پر قدم رکھو یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو‘ سفر کا آغاز کر دو! فرائض دینی میں سے جو پہلا فرض (ارکان اسلام کی پابندی) ہے اُس کو تو پوری مضبوطی کے ساتھ پکڑو‘ اس پر تو کاربند ہو جاؤ! مسلمانوں کی جو ذمہ داریاں ہیں‘ ان کے حوالے سے پہلا قدم یہ ہے کہ آج ہی ہم ارکان اسلام کی پابندی شروع کر دیں۔ نماز قائم کریں‘ زکوٰۃ ادا کریں۔ حق کا کلمہ بلند کرنا تمام طاغوتی قوتوں کے خلاف گویا ایک اعلان جنگ کرنا ہے۔ اس کے لئے طاقت اور قوت صبر اور نماز سے حاصل ہوگی۔ آج اسلام دشمنوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر اسلام کے سچے وفاداروں کے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں بلکہ اُن لوگوں کے خلاف ہے جو دین کا ہمہ گیر تصور رکھتے ہیں‘ جو اللہ کے دین کو اس دھرتی پر قائم کرنا چاہتے ہیں‘ جو یہ سمجھتے ہیں کہ زمین اللہ کی ہے‘ اس پر حکمرانی کا حق بھی اللہ کا ہے۔ یہ لا الٰہ الا اللہ کا تقاضا ہے۔ یہ اللہ کو اکبر ماننے کا تقاضا ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۷۸﴾

اور اللہ سے چمٹ جاؤ‘ وہ تمہارا مولیٰ ہے‘ (تمہارا مددگار ہے)

پس کیا ہی اچھا ہے وہ مددگار اور کیا ہی اچھا ہے وہ پشت پناہ!

آئندہ کے مراحل کے لیے اللہ کی حفاظت میں آ جاؤ‘ اللہ ہی کو اپنا مددگار سمجھو‘ اللہ کی تائید و توفیق پر بھروسا رکھو! منزلیں بڑی کٹھن ہیں‘ ان فرائض کی ادائیگی آسان نہیں‘ ان میں سے ایک ایک سیڑھی بڑی ہی بھاری اور ایک پر ایک منزل بڑی کٹھن ہے‘ لیکن یہ کہ اللہ کا نام لے کر آغاز سفر تو کرو اور آئندہ کے لیے اللہ پر توکل کرو‘ اسی پر بھروسا رکھو! جسے اُس کی حمایت میسر آ جائے اب اس سے بڑھ کر کسی کو کس کی حمایت حاصل ہوگی! جس کو اس کی نصرت و تائید مل جائے اس سے بڑھ کر مطمئن اور بے فکر اور کون ہوگا زبان سے تو ہم بھی اللہ اکبر کہتے ہیں‘ اللہ کو مولا مانتے ہیں لیکن نائن الیون پر ہم نے زبانِ حال سے کہا کہ کوئی مددگار نہیں ہے‘ مددگار صرف امریکہ ہے‘ وہی سب سے بڑی طاقت ہے۔ لہٰذا اسی کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ‘ اور پوری قوم سجدہ ریز ہو گئی۔ کہنے کو تو یہ بڑا آسان ہے کہ وہی اللہ بہترین مدد فرمانے والا‘ سہارا دینے والا ہے۔ لیکن اس پر یقین کرنا سب سے بڑا امتحان ہے‘ اگرچہ حقیقت یہی ہے۔ اور یہ حقیقت اب ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ نے طالبان افغانستان کی نصرت فرمائی اور اسلام دشمنوں کو شکست فاش سے دوچار کیا‘ افسوس کہ ہم پھر بھی سبق سیکھنے کے لئے تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینی ذمہ داریوں کا شعور اور اُن کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

برقِ ستم

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

لاپتہ افراد پر طویل عرصے کے بعد یکا یک شور مچ گیا۔ یہ کون خوش نصیب ہیں جن کی لاپتگی باعثِ تشویش ہے؟ خبروں میں مادر لاپتگان آمنہ جنجوعہ کو ڈھونڈنا چاہا...... کیونکہ سڑکوں پر تذلیل اور گھسیٹے جانے کے بعد یہ مظلوم قبیلہ...... ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے...... بن چکا تھا۔ تاہم جو تفصیل پڑھی تو امریکی دفتر خارجہ، برطانوی ترجمان، موم بتیوں والے واویلا کناں تھے! یعنی دال میں سبھی کچھ کالا تھا...... خبر یوں تھی کہ: اوباما انتظامیہ صورت حال پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ (امریکی دفتر خارجہ کا فرمان)۔ برطانوی ترجمان کہہ رہا تھا کہ امریکی دفترِ خارجہ لاپتہ افراد بازیاب کروائے، ان کے اہلِ خانہ کو تحفظ دیا جائے، گمشدگی کا معاملہ انتہائی سنجیدہ ہے، آزادیٔ اظہار رائے کو اہمیت دیتے ہیں۔ (بشرطیکہ وہ سلمان تاثیری، سلمان رشدی اظہار رائے ہو...... دریدہ دہن!) ساتھ ہی خبر تھی کہ عالمی مجلسِ تحفظ نبوت اسلام آباد کے ناظم مولانا زاہد وسیم لاپتہ ہو گئے! کیا یہ بھی امریکی برطانوی تشویش والی فہرست میں ہیں؟ ہرگز نہیں...... یہ جائز وحلال لاپتگی ہے گلوبل چودھریوں کے پیمانہ ہائے انصاف وآزادیٔ اظہار رائے کے سلسلے میں!

جب تفصیل بسلسلہ تشویش کھنگالی گئی تو پتا چلا کہ یہ دین بے زار، دین دشمن، مرتکبینِ اہانتِ خدا ورسول ﷺ بلاگرز ہیں جس پر مغرب وخیر خواہان ومحبانِ مغرب زلزلہ بر اندام ہیں...... یہ بلاگرز ان کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ جو کام اتنی دیدہ دلیری سے کرتے وہ خود بھی ڈرتے ہیں...... وہ یہ مارہائے آستین کر گزرتے ہیں۔ رینڈ کارپوریشن اسلام کے مخلص کارکنان! ان بلاگرز کے انجام کے خوف سے انہیں حفظِ ماتقدم کے طور پر اٹھایا گیا ہوگا؟ جلد یا بدیر انہیں مغرب اپنے سایۂ عاطفت میں سلمان رشدی کی طرح لے لے گا۔ اب مغربی شہریت حاصل کرنے کے یہی طریقے معروف ہیں۔ اسی کے لیے 5 سعودی لڑکیوں نے اسلام ترک کر کے امریکہ میں جا پناہ لی۔ سیکولر انتہا پسندی کے یہ مظاہر آج گلوبل ویلیج کا شعار بن چکے ہیں۔ ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی حساسیت سے کھیلنے والے یہ مٹھی بھر شرانگیز آج پوری دنیا کے امن کو آگ لگانے کے ذمہ دار ہیں...... لیکن...... جس کی لاٹھی اس کی بھینس فارمولے کے تحت یہی دنیا کا چلن بن چکا ہے۔ صد غنیمت کہ قائمہ کمیٹی برائے قانون وانصاف کے رکن علی محمد (تحریکِ انصاف) نے برمحل آواز اٹھائی ہے کہ ان بلاگرز پر تحقیقات درکار ہیں۔ اگر یہ توہینِ رسالت کے مرتکب ہیں تو ذمہ داران کو سخت سزا ملنی چاہیے۔ انسانی حقوق کے نام پر یہ واویلا بتاتا ہے کہ آج ان کے نزدیک انسان صرف وہ ہے جو یا غیر مسلم ہو...... اور اگر مسلمان پیدا ہوا ہو تو اسلام دشمن، اسلام بے زار ہو۔

تاہم یہ بات اپنی جگہ بجا ہے کہ لاپتگی خواہ فراہمیٔ تحفظ کے لیے (Protective Custody) ہو...... یا ہڈیاں توڑنے، گردے فیل کر کے نام نہاد دہشت گردی کے الزام پر ماورائے عدالت سزا برسانے کے لیے ہو...... بہرصورت قانون، آئین، عدل کے منافی ہے...... شفاف عدالتی کارروائی میں کیا امر مانع ہے؟ چور، ڈاکو سب ہی، دکھائی دینے والے انصاف کا حق رکھتے ہیں۔ فوجی عدالتیں جواب زیرِ بحث اور زیرِ غور ہیں...... وہ بھی فی نفسہ ماورائے عدالت ہی کا مہذب نام ہے۔ لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن نے اسے غیر آئینی قرار دیتے ہوئے اس کی بحالی کے خلاف ملک بھر میں مظاہروں کی دھمکی دی ہے۔ ارکانِ پارلیمنٹ کو اپنے حلف کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیا ہے فوجی عدالتوں کی حمایت کرنے پر۔ حقیقت بر سرِ زمین تو یہ ہے کہ آئے دن ایسے افراد یوں بھی ماورائے عدالت پولیس مقابلوں (Encounter) میں مارے جا رہے ہیں۔ ایسے مقابلے جن میں کسی پولیس والے کی نکسیر بھی نہیں پھوٹتی۔ البتہ 4، 5 دہشت گرد مارے جانے اور (احتیاطاً) دو ایک کے فرار ہونے کی خبر لگ جاتی ہے۔

ماورائے عدالت کے بعد جو مالکِ یوم الدین کی عدالت پر ایمان ہے...... اسے کھو دینے پر ہم یہ ظلم وقہر وجبر کی حکمرانی دیکھ رہے ہیں! وہ دن تو آ کر رہے گا...... جس دن کی تھکن لفظوں میں نہ تولی جائے گی! دست وپابستہ تنگ جگہ ٹھونسے جانے، بیڑیاں، طوق، حلق میں پھنسنے والا کھانا...... آگ کی لپٹیں...... پکارنے والا موت کو پکارے گا اور بھڑکتی آگ میں جا پڑے گا۔ یہ قرآن میں اللہ کے وعدے ہیں...... اور پناہ بخدا کہ یہ سب وعدے سچے ہیں۔ وہن (حب الدنیا، کراہیۃ الموت) نے ہمیں ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ بھلا رکھا ہے۔ مغرب کے طعن وتشنیع پر گھگھیا گھگھیا کر ہم سیکولر، لبرل انتہا پسندی کی دلدل میں اترتے جا رہے ہیں۔ دو قومی نظریے پر خطِ تنسیخ پھیر کر مسلم لیگی، دین پسند والدین کا بیٹا، وزیر اعظم نواز شریف مندر کا دورہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مسلم، ہندو، سکھ، عیسائی ہم سب ایک ہیں! کیا آخرت میں، ہندو سکھ عیسائی جھرمٹ میں کھڑا ہونا بھی پسند ہوگا؟ زندگی ایک تسلسل کا نام ہے۔ زندگی کی شام سے آگے......؟ صبح دوام زندگی کی ہے۔

رواداری، برداشت، انسانی حقوق، آزادیٔ اظہار رائے کے چیمپئن ممالک کا حال ملاحظہ ہو...... امریکہ میں (یوٹا) 15 سالہ لڑکی کو حجاب پہننے کی پاداش میں راہ چلتے سکول بس سے اتار دیا...... سوئٹزر لینڈ...... مرنجاں مرنج...... دنیا بھر کے لوٹ مار والے سیاستدانوں کے مال بھرے بینکوں کا محافظ! پہلے مسجد کے میناروں، اذانوں پر پابندی لگائی۔ پھر برقع، حجاب، نقاب پابندی کی زد میں آئے۔ اب دو بچیوں کے (ترک) والدین نے انسانی حقوق کی عدالت سے رجوع کیا۔ بچیوں کو مخلوط تیراکی پر سکول میں مجبور کیے جانے کی شکایت تھی۔ پہلے سوئٹزر لینڈ کی عدالت نے حکم صادر فرمایا کہ انہیں مخلوط تیراکی کرنا ہوگی، معاشرے سے ہم آہنگ ہونے کے لیے! اسی پر بس نہیں بلکہ والدین کو 1300 یورو جرمانہ ہوا، بحیثیت والدین ذمہ داریاں ادا نہ کرنے پر! والدین یورپ میں انسانی حقوق کے غلغلے کے جھانسے میں آ کر یورپی یونین کی انسانی حقوق کی اعلیٰ ترین عدالت میں یہی شکایت لیے جا پہنچے۔ جہاں مزید سرزنش کا سامنا کرتے ہوئے تاکید مزید آ گئی۔ نہ صرف مخلوط تیراکی کرنا ہوگی...... بلکہ ساتر برکینی (تیراکی کا لباس) کی بھی اجازت کسی شکل میں نہیں دی جا سکتی۔

یہی عدم برداشت اور سیکولر انتہا پسندانہ، نظریاتی

دہشت گردانہ رویے جابجا مسلمانوں پر حملہ آور ہیں۔ دسمبر میں زیورچ میں مسجد میں گھس کر مقامی گورے نے 3 نمازیوں کو فائرنگ کر کے زخمی کر دیا۔ ترک بچیوں کے مقدمے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے وہاں کی بلاگر شریعت اسلامی پر غم وغصہ اگلتے ہوئے کہتی ہے کہ اس نظام کے تحت تو ہم جنس پرستی، زنا، ارتداد، الحاد تک کی ممانعت ہے۔ نیز یہ بھی کہ ہمیں اپنی ثقافت اور اقدار کے تحفظ کے لیے (مخلوط تیراکی نوعیت کے) کڑے اقدامات کرنے ہوں گے۔ سو یہ حقیقتاً تہذیب اور بدتہذیبی کے مابین عالمی دجالی جنگ ہے۔ سب مظاہر اسی کے ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ ہم اعلیٰ، بالا و برتر رب کی عطا کردہ کوثر و تسنیم سے دھلی تہذیب کے وارث مغربی تہذیب کا طوفانِ بدتمیزی اپنے ہاں لا بسانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ (نتائج پر سر پکڑ کر روتے ہیں!) کراچی میں گویے عاطف اسلم کے مخلوط موسیقی کے ہنگام میں جب نوجوانوں نے لڑکیوں کو ہلڑ بازی کا نشانہ بنایا تو بجا طور پر غم وغصے، دکھ اذیت کی لہر دوڑ گئی۔ گانا بجانا روک کر اسے لڑکیوں کو تحفظ دینے کا حکم صادر کرنا پڑا۔ (ڈان رپورٹ) سارا غم لکھنے والوں کا اس امر پر تھا کہ صنفی مساوات کا فقدان ہے۔ آخر لڑکیاں عدم تحفظ کا شکار (ایسی جگہ پر) کیوں ہوں۔ تحفظ کی ضمانت پھر مرد ہی کیوں دے! عورت کمزور کیوں جانی جائے؟ مرد سے تحفظ کی بھیک کیوں مانگے! اگرچہ ان سوالوں کا (ان کے نظریات ملحوظ رکھتے ہوئے) آسان حل تو جوڈو کراٹے میں موجود ہے۔ ایسے پروگراموں کا حصہ بننے سے پہلے کیل کانٹے سے لیس ہونا ضروری ہے، یہی تحفظ کی ضمانت ہے۔ اس کے بغیر تو مغرب بھی دو صدیوں میں اپنی عورت محفوظ نہ کر سکا۔ چچا گوگل سے اعداد وشمار پوچھ دیکھیے! عزت، وقار، احترام اور تقدس کی ضمانت تو صرف اللہ کے دین میں ہے...... جس سے الرجی کے دھپڑ نکل آتے ہیں موم بتی والوں کو! حقوق نسواں کے چیمپئن امریکہ کے اوباما اور کیری نے اپنے فدوی اتحادی پاکستان کی حکومت کو ڈاکٹر عافیہ، شکیل آفریدی کے بدلے لوٹانے سے بھی تو صاف انکار کر دیا ہے۔ ایک پاکستانی مرد قیدی دینے کو تیار ہیں، مظلوم عورت نہیں! ان کے دجل فریب بھرے نعروں کی حقیقت کھل چکی ہے۔

ہر موڑ پہ اک برق ستم گونج رہی ہے
ہر گام پہ ہے شعلہ فشاں سیلِ بلا دیکھ

گوشۂ تربیت

علم کی فضیلت واہمیت

مرتب: فرید اللہ مروت

علم کی تعریف وفضیلت

علم کے معنی آگاہی اور واقفیت کے ہیں۔ علم ایک نور ہے جو سینوں میں پیدا ہوتا ہے جس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا پتہ چلتا ہے۔ علم کا نور ہمارے دلوں سے شکوک وشبہات کو اکھاڑ دیتا ہے۔ انسان کو جنت کے بارے میں شرح صدر عطا فرما دیتا ہے۔

"نور جب سینے میں داخل ہوتا ہے تو سینے کو کھول دیتا ہے۔" (رواہ البیہقی)

اس بندے کے لیے شریعت اور سنت پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔ اسی لیے فضیلتیں دو بندوں کے لیے ہیں: ایک ایمان والوں کے لیے، دوسرے ایمان والوں میں سے اہل علم کے لیے۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ انسانیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو فضیلت بخشی اور ایمان والوں میں سے اللہ نے علماء کو فضیلت بخشی ہے۔ اس علم کی وجہ سے اللہ رب العزت انسان کو درجے عطا فرماتا ہے اس لیے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط﴾ (المجادلہ:11)

"جو علم والے ہوتے ہیں ان کو درجات ملتے ہیں۔"

علم کی دو قسمیں:

علم دو طرح کا ہے:

1۔ آفاق کا علم (عصری تعلیم)
2۔ انفس کا علم (دینی تعلیم)

آفاق کہتے ہیں جو انسان کے باہر کی دنیا میں جو کچھ ہے۔ انسان کے باہر اردگرد کائنات جہاں تک بھی پھیلی ہوئی ہے اس کو آفاق کہتے ہیں۔ اور آفاق کا علم انسان کی ضرورت ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس علم کی وجہ سے کافر مسلمانوں پر غالب آسکتے ہوں اس علم کا حاصل کرنا بھی مسلمانوں پر لازم ہے۔ دیکھیں! یہ ہے اصل نکتہ۔ اگر مسلمان مغلوب ہوجاتے ہیں کسی اور وجہ سے اسلام کا پرچم نیچا ہوجاتا ہے اسی وجہ سے تو فرمایا کہ تم وہ علم حاصل کرو جس سے وہ غالب آسکتے ہیں اور اعلائے کلمہ کے لیے نکلو! تو جس علم کی وجہ سے کافر مسلمانوں کے اوپر غالب آسکتے ہیں، اس علم کا حاصل کرنا واجب ہے۔

اور جو کچھ انسان کے اندر ہے اس کو انفس کہتے ہیں۔ انفس یعنی علم دین انسان کا مقصدِ زندگی ہے۔ علم دین سے ہی اللہ رب العزت کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ ہم باہر نظر اٹھا کر دیکھیں یا اپنے من میں نظر جھکا کر دیکھیں ہر طرف اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔ اب یہ انسانی سوچ پر منحصر ہے کہ وہ دنیاوی تعلیم سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں یا دینی تعلیم سے ان نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔ اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کی صلاحیت حاصل کرنے کے لیے یہ دونوں علوم ضروری ہیں لیکن دینی علم ان نشانیوں کا بہتر فہم حاصل کرنے کے لیے اہم بھی ہے اور صحیح رہنمائی بھی کرتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (۵۳)﴾

(حٰم سجدہ)

"ان کو عنقریب ہم اپنی نشانیاں دکھائیں گے، آفاق میں اور اپنے نفس میں حتیٰ کہ حق روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔"

ان کو ﴿فِي الْاٰفَاقِ﴾ تن کی دنیا میں بھی دکھائیں گے اور ﴿فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ من کی دنیا میں بھی دکھائیں گے۔ ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ حتیٰ کہ ان کے اوپر حق بالکل کھل جائے گا، بالکل واضح ہو جائے گا۔

حقیقی علم کونسا ہے؟

مگر ان دونوں علوم میں فرق ہے۔ جو باہر کا علم ہے وہ علم الاسماء اور علم الاشیاء کہلاتا ہے اور جو من کا علم ہے کہ انسان اپنے اخلاق کی اصلاح کیسے کرے؟ اپنے اندر کی بیماریاں: کینہ، حسد، بغض، تکبر ان کو کیسے دور کرے اور کیسے اللہ کو راضی کرے؟ یہ حقیقی علم ہے۔ یہ وہ علم ہے جس پر صحیح معنوں میں علم کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

دنیا کا علم قلیل ہے:

اس لیے کہ باہر کی چیزوں کا علم کوئی وسیع اور حقیقی علم نہیں ہے اور اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے۔ دیکھئے! جو باہر کا علم ہے وہ دنیا سے متعلق ہے اور دنیا کو اللہ تعالیٰ نے بہت قلیل کہا۔ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ج (۷۷)﴾ (سورۃ النسآء)

''آپ فرما دیجئے کہ دنیا کی متاع تھوڑی سی ہے۔''

تو جب متاع دنیا ہی تھوڑی ہے تو اس کا علم بھی اللہ کی نظر میں قلیل ہے۔ اس لیے کہ وہ ہے ہی تھوڑا، تھوڑی سی متاع کا علم بھی تھوڑا ہوتا ہے۔ اور جس بندے کے پاس تھوڑا علم ہو تو ہم کہتے ہیں اس کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ کوئی شخص پانچ جماعت پڑھا ہو تو عرف میں کہتے ہیں کہ ان پڑھ ہے۔ آج کل کسی نے میٹرک بھی کی ہوئی ہو تو کہتے ہیں کہ کچھ نہیں پڑھا ہوا۔ کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تھوڑا سا علم ہے، دس جماعتیں بھی کوئی علم ہے؟ ہاں بی اے کیا ہوتا، ایم اے کیا ہوتا پھر کہتے کہ اس نے پڑھا ہے۔ تو اگر آج کی دنیا میں پانچویں جماعت پڑھے بندے کو یا دس جماعت پڑھے بندے کو جاہل کہہ دیتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تھوڑا علم قابل اعتبار نہیں۔ چنانچہ جب متاع دنیا ہی تھوڑی ہے تو قلیل کا علم کثیر کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ظاہر ہے وہ بھی قلیل ہوگا۔ تو قلیل علم پر انسان کو فضیلت نہیں ملتی۔

آخرت کا علم کبیر ہے:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لیے تو قلیل کا لفظ استعمال کیا مگر آخرت کے حوالہ سے قلیل کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ کیا کہا؟ فرمایا:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا (۲۰)﴾ (سورۃ الدھر)

''اور تو جب وہاں دیکھے گا تو نعمت اور عظیم الشان سلطنت کو دیکھے گا۔''

اسی لیے دنیا کے بارے میں ﴿مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ فرمایا اور آخرت کے بارے میں ﴿مُلْكًا كَبِيْرًا﴾ کا لفظ استعمال کیا، ہمیشہ کی سلطنت، اور بہت بڑا ملک آخرت میں دیا جائے گا۔ تو علم آفاق سے انسان اس قلیل دنیا کا علم حاصل کرتا ہے اور علم انفس کے ذریعے سے انسان اس ملکا کبیرا کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو ان کے درمیان کوئی نسبت ہی نہ ہوئی۔

آج کی دنیا کی سوچ

اب دیکھئے کہ آج کی دنیا صرف ظاہر باہر کا جو علم ہے اسی پر فریفتہ ہو چکی ہے۔ کوئی ڈاکٹر بن جائے اس کی نظر میں وہ بڑا زبردست بندہ ہے، کوئی انجینئر بن جائے اس کی نظر میں وہ بڑا زبردست علم والا ہے لیکن کوئی دین کا علم حاصل کر لے دنیا کے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ پڑھا ہوا نہیں ہے۔ سمجھ الٹی ہو گئی، جس کو اللہ تعالیٰ قلیل کہتے ہیں اس کے جاننے والے کو بڑا سمجھتے ہیں اور جس کو ملکا کبیرا حاصل کرنے کا علم ہے، کہتے ہیں کہ اس کے پاس علم ہی نہیں ہے۔ اب یہ تو بندوں کی سوچ ہے۔

دنیا کا علم رکھنے والے بے علم ہیں

آیئے اب ذرا آپ قرآن مجید کی طرف رجوع کیجئے! اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ اللہ تعالیٰ دنیا کا علم رکھنے والے لوگوں کو فرماتے ہیں کہ ان کے پاس علم نہیں ہے۔ جن کے پاس فقط دنیا کا علم ہے نا یہ اپنے رب کو نہیں پہچانتے، اپنے رب کی آیات کو نہیں پہچانتے، اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ آپ کہیں گے جی اس نے بڑی بات کر دی، بھائی اس بات کا ثبوت قرآن عظیم الشان سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج صلے﴾

(سورۃ الروم)

''یہ جانتے ہیں فقط دنیا کے ظاہر کا علم۔''

جو دنیا کے ظاہر کا علم جاننے والے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لا یعلمون ''علم نہیں رکھتے'' بے علم ہیں۔ تو فقط دنیا کے ظاہر کو جان لینا یہ کوئی علم نہیں ہے۔

نعمت میں کھو جانا جہالت ہے

اس کی ایک وجہ ہے۔ ایک ہے نعمت، ایک ہے منعم حقیقی اور ایک ہے منعم علیہ۔ یعنی ایک ہیں اللہ تعالیٰ، ایک ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت جو اس پوری دنیا میں آگے پیچھے پھیلی ہوئی ہے اور ایک ہے انسان جو نعمت کو استعمال کرتا ہے، حاصل کرتا ہے۔ انسان اگر نعمت کی اہمیت کو پہچانے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے منعم حقیقی کا احسان مند رہے اور جو نعمت میں گم ہو کر رہ جائے اور منعم حقیقی کو بھول جائے تو اس کو جاہل ہی کہا جائے گا۔

آج کفر کی دنیا اسی کفر میں پڑی ہوئی ہے کہ مادے کے اوپر ریسرچ کر کے وہ مادے کی نعمتیں حاصل کرنے میں گم ہے۔ تو نعمت میں ڈوب جائیں اور نعمت دینے والے کو بھول جائیں، یہ تو جہالت ہوئی، یہ تو بے وقوفی ہوئی۔

پڑھے لکھے جاہل

اور اگر ان نعمتوں میں لگ کر اپنے منعم حقیقی کو بھول جائیں تو پھر ہم جاہل ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۰)﴾

(سورۃ الروم)

''اکثر لوگ یہ علم نہیں رکھتے۔''

لاعلم ہیں، بے علم ہیں، یہ کون ہیں؟

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج صلے وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (۷)﴾ (الروم)

''یہ دنیا کے ظاہر کا علم جانتے ہیں، آخرت سے غافل ہیں۔''

تو جس طرح پانچ پڑھے کو لوگ جاہل کہہ دیتے ہیں، ایسے ہی دنیا کا علم کوئی رکھتا ہو اور آخرت کی طرف دھیان ہی نہ ہو تو وہ علم رکھنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ جاہل کہتے ہیں۔ اور اگر فقط دنیا کی کمپیوٹر سائنس پڑھ لی، بڑی انجینئرنگ کر لی یا اور کوئی دنیوی سند حاصل کر لی ٹھیک ہے۔ یہ سب نعمتیں ہیں لیکن ان کی ڈائریکشن ٹھیک ہونی چاہیے۔ اگر ان کی سمت ٹھیک نہیں اور فقط دنیا میں کھاؤ پیو اور عیش اڑاؤ تک ہے تو اس نے تو پھر انسان کو مقصد حقیقی سے ہٹا دیا۔ تو مقصود سامنے رہے، ایسا نہ ہو کہ قلیل کے پیچھے لگ کر انسان ملکا کبیرا کو بھول جائے۔

ہم فقط ظاہر دنیا کا علم حاصل کر کے مطمئن نہ ہو جائیں۔ یہ متاع قلیل کا علم ہے اور اصل علم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ملکا کبیرا اس کے علم کو حاصل کرنا ہے اور وہ علم، علم انفس سے حاصل ہوتا ہے۔

آج علم ظاہر کی اہمیت ہے

آج آپ اگر غور کریں تو صبح کے وقت ہمارے گھروں سے یہ جو ہماری بیٹے، بیٹیاں کتابیں بستے ہاتھ میں لے کر نکلتے ہیں ان کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ لاکھوں

میں ان کی تعداد ہے لیکن رخ کدھر ہوتا ہے؟ سکولوں کالجوں کی طرف۔ اور قرآن اور حدیث پڑھنے والے کتنے ہوتے ہیں؟ ایک فیصد بھی نہیں ہوتے۔ اب جس قوم کے ایک فیصد بچے بھی قرآن اور حدیث پڑھنے کے طرف نہیں جاتے تو پھر اس قوم نے کس علم کو اہمیت دی ہے؟ علم ظاہر کو۔ اور اہمیت کیوں دے رہیں؟ اس لیے کہ اس سے پیسہ آتا ہے۔ اگر لوگوں کو پتہ ہوتا کہ دورۂ حدیث کر لینے سے پچاس ہزار روپیہ تنخواہ بن جائے گی تو پھر دار العلوم کے اندر لائنیں لگی ہوتیں، بیٹھنے کی جگہ ہی نہ ملتی۔ پھر ویٹنگ لسٹیں بنی ہوتیں۔ وزیر صاحب آ رہے ہوتے کہ جی میں بھی اپنے بیٹے کو عالم بنانا چاہتا ہوں لیکن مقصد کیا ہوتا؟ پچاس ہزار روپے۔

مقصدِ زندگی اور ضرورتِ زندگی

تو بھئی یہ علم ظاہر حاصل کرنا منع نہیں ہے۔ فرق اتنا ہے کہ یہ ضرورتِ زندگی ہے اور وہ مقصدِ زندگی ہے۔ یہ علم کیا ہے؟ ضرورتِ زندگی ہے۔ اسے حاصل کیے بغیر دنیا میں انسان دوسروں کے ساتھ انٹرایکٹ نہیں کر سکتا، اللہ کے قانون کو نافذ نہیں کر سکتا، تو یہ علم حاصل کرنا بھی ضروری مگر ضرورت کی حد تک۔ لیکن وہ علم کہ جس سے اللہ رب العزت کی رضا ملے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ انسان کو سمجھ میں آ جائے وہ علم حاصل کرنا مقصدِ زندگی ہے، دونوں میں یہ فرق ہے۔

عالم کا مقام

اس لیے ارشاد فرمایا کہ علم والوں کے درجات اللہ رب العزت بڑھاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ظاہر میں انسان کے جسم میں جو دل کی حیثیت ہے معاشرے کے اندر وہی حال عالم کا بھی ہے۔ اگر انسان کا دل بیمار ہو جائے تو پورا جسم بیمار ہو جاتا ہے، جسمانی مریض ہو یا روحانی مریض ہو۔ اسی طرح اگر عالم بگڑ جائے تو بھی مریض قلب کی طرح ہوتا ہے۔ قلبِ سقیم کی طرح ہوتا ہے، یعنی بیمار دل کی طرح ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی معاشرے میں علما ٹھیک ہوں صاحب علم اور ورع اور تقویٰ والے ہوں تو پھر پورے معاشرے کی کیفیت اور ہو جاتی ہے۔ دل کے بگڑنے سے انسان بگڑتا ہے اور دل کے سنورنے سے انسان سنورتا ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ علما کے سنورنے سے معاشرہ سنورتا ہے اور علما کے بگڑنے سے معاشرہ بگڑتا ہے۔

من کا اندھیرا

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۰)﴾ (الروم)

''اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

''کہ وہ دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں۔''

تو اس کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں جو فقط ظاہر کا علم رکھنے والے لوگ ہیں وہ بے علم ہیں۔

علامہ اقبال نے کہا۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

پوری دنیا کو قمقموں سے روشن کرنے والا انسان اپنے من میں اندھیرا لیے پھرتا ہے۔ پھر باہر کے گھر کے چراغ کیا کریں گے جب تیرے دل کے گھر کا چراغ بجھ گیا۔

ظاہری علم کب فائدہ مند ہوتا ہے؟

مادی علم، یہ ظاہری دنیا کا علم تبھی فائدہ مند ہے جب اس کی سمت ٹھیک ہو اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے۔ اور جب یہ خالق سے غافل کر کے اپنے ہی اندر گم کر دے تو بندہ ڈی ٹریک ہو جاتا ہے۔

عالم اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے

ارشاد فرمایا:

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط﴾ (سورۃ الزمر)

''کیا عالم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔''

اللہ رب العزت نے یہاں کنائے میں بات فرما دی۔ کیا بات کی؟ وہ فرما سکتے تھے کہ علم والے بے علم لوگوں سے افضل ہیں، مگر یہ انداز کیوں نہیں اپنایا؟ اس لیے نہیں اپنایا کہ رب کریم جانتے تھے کہ میرے بندوں کے دماغ چھوٹے ہیں، اس بات کو پڑھ کر کہیں علم والوں کے دماغ میں فتور نہ آ جائے، کہیں ان کے اندر فخر نہ آ جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کنائے میں بات کرنا پسند کیا اور کہا کہ مقصد بھی سمجھ لیں اور غرور و تکبر پیدا نہ ہو جائے۔

درجات اہل علم کے لیے ہیں

معلوم ہوا اللہ رب العزت نے اہل علم حضرات کے لیے درجات بنائے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ لا وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط (۱۱)﴾ (سورۃ المجادلۃ)

''جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا ان کو اللہ تعالیٰ بلند درجے عطا کرے گا۔''

کافروں سے مومن کو فضیلت اور مومنوں میں علماء کو فضیلت حاصل ہے۔ یہ درجات اللہ نے بنا دیے۔

علم النفس فرض ہے

آخر میں ہم قارئین پر واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور مقصد زندگی کے حصول کے لیے اصل علم علم النفس یعنی دینی تعلیم ہے۔ دینی تعلیم سے ہمیں پتہ چلتا ہےکہ انسان کے نفس کی اصلاح کیسے ہوتی ہے؟ اللہ کی رضا کیسے ملتی ہے؟ انسان کی روح کو غذا کیسے ملتی ہے؟ یہ علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اب درجے کا اندازہ آپ خود لگائیں۔ جو کالجوں یونیورسٹیوں میں جا رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا عمل کر رہے ہیں جو دنیوی زندگی میں ناگزیر ہے۔ لیکن جو مدارس میں جا رہے ہیں وہ فرض پر عمل کر رہے ہیں۔ وہ حقیقت میں علم کبیر حاصل کر رہے ہیں اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم علماء کی قدر کریں اور ان کا اکرام کریں اور خود بھی علم حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ سے علم کا نور مانگیں۔

علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کیفیت ہے تو علم ہے، ورنہ وبال ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں علم کا نور عطا فرمائے۔ اصل یہ علم ہے، یہ علم حاصل کرے تو انسان اشرف المخلوقات بن جاتا ہے، علامہ اقبال نے ایک عجیب شعر کہا۔

کہا کہ کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
اور مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

تو یہ علم جب بندہ حاصل کر لیتا ہے تو پھر آفاق اس میں گم ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت علم کے اس نور سے ہمارے سینوں کو منور کرے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مسلمان پر قرآن مجید کے پانچ حقوق

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ کی اس نعمت سے فائدہ اٹھائیں۔ یہاں پر ہم قرآن مجید کے پانچ حقوق کا تذکرہ کرتے ہیں جو کہ ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔ (1) ایمان و تعظیم (2) تلاوت و ترتیل (3) تذکر و تدبر (4) حکم و اقامت (5) تبلیغ و تبیین

پہلا حق: ایمان و تعظیم

ماننے کا اصطلاحی نام ایمان ہے اور اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک ''اِقْرَارٌ بِاللِّسَان'' یعنی زبان سے اقرار کرنا اور دوسرے ''تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْب'' دل کی گہرائی سے تسلیم کرنا۔ اقرارِ لسانی دائرۂ اسلام میں داخلے کی شرطِ لازم ہے اور تصدیق قلبی حقیقی ایمان کا لازمہ ہے۔

قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' جو برگزیدہ فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ اس اقرار سے انسان دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے' لیکن حقیقی ایمان اسے اُس وقت نصیب ہوتا ہے جب ان تمام امور پر ایک پختہ یقین اس کے قلب میں پیدا ہو جائے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب یہ صورت پیدا ہو جائے گی تو خود بخود قرآن کی عظمت کا نقش قلب پر قائم ہو جائے گا اور جوں جوں قرآن پر ایمان بڑھتا جائے گا اس کی تعظیم و احترام میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ گویا ایمان و تعظیم لازم و ملزوم ہیں۔

آپ ﷺ اکثر رات اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہوئے گزار دیتے تھے' حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے اور قرآن ہی کی شہادت ہے کہ ایک تہائی' آدھی اور دو تہائی رات اس طرح بسر کرنے میں بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آپ ؐ کا اتباع کرتے تھے۔ اکثر صحابہ ہفتے میں ایک بار ضرور قرآن مجید ختم کرتے تھے اور خود حضور ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا' ان کا حال یہ تھا کہ صحابہؓ سے باصرار فرمائش کر کے قرآن مجید سنا کرتے تھے اور بسا اوقات شدتِ تاثر سے آپ ؐ کے آنسو بہہ نکلتے تھے۔

آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قرآن سے اس گہرے شغف اور اس کی جانب اس قدر التفات کا سبب یہ تھا کہ انہیں یہ ''حق الیقین'' حاصل تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس کے بالکل برعکس ہمارا حال ہے۔ قرآن کے مُنزَّل من اللہ ہونے کا اقرار تو ہم کرتے ہیں اور اس پر بھی خدا کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے کہ اس نے ہمیں ان لوگوں میں پیدا فرما دیا جو قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہیں' لیکن الا ماشاء اللہ اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا یقین ہمیں حاصل نہیں اور درحقیقت یہی ہمارے قرآن سے بُعد اور اس کی جانب عدم التفات و توجہ کا اصل سبب ہے۔ اگر ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور ان کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ واقعی ہمارے قلوب قرآن پر یقین سے خالی ہیں اور ریب اور شک نے ہمارے دلوں میں ڈیرا ڈالا ہوا ہے۔ ہماری اس کیفیت کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے: ''اور جو لوگ وارث ہوئے کتابِ الٰہی کے ان کے بعد وہ اس کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔'' (الشوریٰ :14) یہی وجہ ہے کہ نہ ہمارے دلوں میں اس کی کوئی عظمت ہے' نہ اس کو پڑھنے پر ہماری طبیعت آمادہ ہوتی ہے' نہ اس پر غور و فکر کی کوئی رغبت ہم اپنے اندر پاتے ہیں اور نہ ہی اسے زندگی کا واقعی لائحہ عمل بنانے کا خیال کبھی ہمیں آتا ہے۔ اس پوری صورتِ حال کا اصل سبب ایمان اور یقین کی کمی ہے اور جب تک اسے دُور نہ کیا جائے کسی وعظ و نصیحت سے کوئی پائیدار نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

پوچھا جا سکتا ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کی عملی تدبیر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان کی تحصیل کا سب سے زیادہ آسان اور سب سے بڑھ کر مؤثر ذریعہ تو اصحابِ ایمان و یقین کی صحبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب میں ایمان و یقین کی جو کیفیت مجسمۂ ایمان اور پیکرِ یقین ﷺ کی صحبت کی بدولت پیدا ہوئی تھی اس کا تصور بھی اب ناممکن ہے آپ ؐ کی وفات کے بعد بھی عوام الناس تو نورِ ایمانی کے اکتساب کے لیے ایسے خواص ہی کی صحبت ہی کے محتاج ہیں جن کے دلوں میں ایمان و یقین کی شمعیں روشن ہوں' لیکن خود اُن ''خواص'' کے لیے نورِ ایمان کا سب سے بڑا منبع قرآن مجید ہے۔ اور اس کے بعد اخبار و آثار اور سیرتِ رسول ﷺ اور سیرِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایسا مطالعہ جس سے طالب کو حضور ؐ اور صحابہؓ کی معنوی صحبت میسر آ جائے رہا خود قرآن پر یقین اور اس میں اضافہ تو اس کا تو بس ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ خود قرآن مجید ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''بنی آدم کے قلوب بھی اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا پانی پڑنے سے!'' دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! اس زنگ کو دُور کس چیز سے کیا جائے؟ فرمایا: ''موت کی بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت!'' (بیہقی)

خلاصۂ کلام یہ کہ محض ایک متوارث عقیدے کے طور پر قرآن کو ایک مقدس آسمانی کتاب ماننے سے ہماری موجودہ صورتِ حال میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید کے ساتھ عدم التفات کا جو رویہ ہمارا اس وقت ہے' وہ نہیں بدل سکتا۔ قرآن مجید کے جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کی ادائیگی کی اوّلین شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے ہمارے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور ہماری ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ یہ یقین ہمارے فکر و نظر میں ایک انقلاب برپا کر دے گا۔ پھر ہمیں محسوس ہو گا کہ اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے قرآن سے بڑی کوئی دولت اور اس سے عظیم تر کوئی نعمت موجود نہیں۔

دوسرا حق: تلاوت و ترتیل

تلاوتِ کلامِ پاک ایک بہت بڑی عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان کو تر و تازہ رکھنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ جس طرح جسمِ انسانی اپنی بقاء و تقویت کے لیے مسلسل غذا کا محتاج ہے جو انسان کے جسدِ حیوانی کی طرح سب زمین ہی سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح روحِ انسانی جو خود آسمانی چیز ہے' کلامِ ربانی کے ذریعے مسلسل تغذیہ و تقویت کی محتاج ہے!

اگر قرآن بس ایک مرتبہ پڑھ لینے کی چیز ہوتی تو کم از کم نبی اکرم ﷺ کو تو اس کے بار بار پڑھنے کی قطعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؐ کو مسلسل قرآن پڑھتے رہنے کی بار بار تاکید ہوئی۔ عہدِ رسالت کے بالکل ابتدائی ایام میں تو انتہائی تاکیدی حکم ہوا کہ رات کا اکثر حصہ اپنے ربّ کے حضور میں کھڑے ہو کر ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے ہوئے بسر کرو۔ بعد کے ادوار میں بھی' خصوصاً جب مشکلات و مصائب کا زور ہوتا تھا اور صبر و استقامت کی خصوصی ضرورت ہوتی تھی' آنحضور ﷺ کو تلاوتِ قرآن ہی کا حکم دیا جاتا تھا۔ چنانچہ سورۃ الکہف میں ارشاد ہوا ہے: ''اور پڑھا کر جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے پروردگار کی کتاب سے۔ کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور نہ ہی تو کہیں پا سکے گا اس کے سوا پناہ کی جگہ۔'' (الکہف)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت مسلسل کرتے رہنا ضروری ہے

کتابِ الٰہی کے اصل قدر دانوں کی یہ کیفیت قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے کہ: ’’جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔‘‘ (البقرہ:121)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم قرآن مجید کا حقِ تلاوت ادا کر سکیں۔ لیکن اس کے لیے سب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن کی تلاوت کا حق ہے کیا؟ اور اس کی ادائیگی کی شرائط کیا ہیں؟

1) تجوید

سب سے پہلی ضروری چیز قرآن مجید کے حروف کی شناخت‘ ان کے مخارج کا صحیح علم اور رموزِ اوقافِ قرآنی کی ضروری معلومات کی تحصیل ہے‘ جسے اصطلاحاً تجوید کہتے ہیں اور جس کے بغیر قرآن مجید کی صحیح اور رواں تلاوت ممکن نہیں۔

2) روزانہ کا معمول

قرآن مجید کے حقِ تلاوت کی ادائیگی کے لیے دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن کو زندگی کے معمولات میں مستقل طور پر شامل کیا جائے اور ہر مسلمان تلاوت کا ایک مقررہ نصاب پابندی کے ساتھ لازماً پورا کرتا رہے۔

3) خوش الحانی

قرآن کی تلاوت کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنی حد تک بہتر سے بہتر اسلوب‘ اچھی سے اچھی آواز اور زیادہ سے زیادہ خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے تاکیداً فرمایا ہے: ’’قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔‘‘ ساتھ ہی اس معاملے میں کوتاہی پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی کہ: ’’جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔‘‘

4) آدابِ ظاہری و باطنی

یعنی یہ کہ انسان باوضو ہو‘ قبلہ رُخ بیٹھ کر تلاوت کرے‘ اور اس کی ابتدا تعوّذ سے کرے پھر یہ کہ اس کا دل کلام اور صاحبِ کلام دونوں کی عظمت سے معمور ہو۔ حضورِ قلب‘ خشوع وخضوع اور انابت و رجوع الی اللہ کے ساتھ تلاوت کرے‘ اور خالص طلبِ ہدایت کی نیت اور قرآن حکیم کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کے عزمِ مصمم کے ساتھ قرآن کو پڑھے۔

5) ترتیل

تلاوتِ قرآن پاک کی اعلیٰ ترین صورت یہ ہے کہ نماز (خصوصاً تہجد) میں اپنے ربّ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کر انتہائی سکون اور اطمینان کے ساتھ متذکرہ بالا تمام شرائط کی پابندی کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اور توقف کرتے ہوئے قرآن پڑھا جائے جس سے قلب پر اثرات مترتب ہوتے چلے جائیں۔ قرآن کی اصطلاح میں اس قسم کی تلاوت کا نام ترتیل ہے اور نبی اکرم ﷺ کو جو احکام بالکل ابتدائی عہدِ رسالت میں ملے ان میں سے غالباً اہم ترین حکم یہی تھا کہ: ’’اے مزمل! رات کو کھڑے رہا کرو سوائے اس کے تھوڑے سے حصے کے‘ (یعنی) آدھی رات‘ یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زائد۔ اور قرآن کو پڑھا کرو ٹھہر ٹھہر کر۔‘‘ (المزمل: 1 تا 4)

6) حفظ

ترتیلِ قرآن کا حق ادا کرنے کے لیے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کرنے کے لیے کوشاں رہے تاکہ اس قابل ہو سکے کہ رات کو اپنے ربّ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا کلام اسے سنا سکے!

تیسرا حق: تذکر و تدبر

ماننے اور پڑھنے کے بعد تیسرا حق قرآن مجید کا یہ ہے کہ اسے ’’سمجھا‘‘ جائے اور ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی نازل ہی اس لیے ہوا ہے اور اس پر ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کا فہم حاصل کیا جائے۔ بغیر فہم کے مجرد تلاوت کا جواز ایسے لوگوں کے لیے تو ہے جو پڑھنے لکھنے سے بالکل محروم رہ گئے ہوں اور اب تعلیم کی عمر سے بھی گزر چکے ہوں۔ ایسے لوگ اگر ٹوٹے پھوٹے طریق پر تلاوت کر لیں تو بھی بہت غنیمت ہے اور اس کا ثواب انہیں ضرور ملے گا‘ لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے تعلیم پر زندگیوں کا اچھا بھلا عرصہ صرف کر دیا ہو اور دنیا کے بہت سے علوم وفنون حاصل کیے ہوں‘ مادری ہی نہیں غیر ملکی زبانیں بھی سیکھی ہوں‘ اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر و توہین اور تمسخر واستہزاء کے مجرم گردانے جائیں اور اس اعراض عن القرآن کی سزا تلاوت کے ثواب سے بڑھ جائے۔ الا یہ کہ وہ قرآن کا علم حاصل کرنے کا عزم کر لیں اور اس کے لیے سعی وجدوجہد شروع کر دیں تو درمیانی عرصے میں اگر مجرد تلاوت بھی کرتے رہیں تو امید ہے کہ اس کا اجر انہیں ملتا رہے گا۔ قرآن تمام ذی شعور انسانوں کو جنہیں وہ ’’اُولُوا الْاَلْبَابِ‘‘ اور ’’قَوْمٌ يَّعْقِلُوْنَ‘‘ قرار دیتا ہے‘ تفکر اور تعقل کی دعوت دیتا ہے اور اس کا اوّلین میدان خود آفاق و انفس کو قرار دیتا ہے جو آیاتِ الٰہی سے بھرے پڑے ہیں۔ ساتھ ہی وہ انہیں آیاتِ قرآنی میں بھی تفکر و تعقل کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ: ’’اور اتارا ہم نے تم پر ذکر کہ تم جو کچھ لوگوں کے لیے اتارا گیا ہے اس کی وضاحت کرو‘ تاکہ وہ تفکر کریں۔‘‘ (النحل)

تذکر بالقرآن کے لیے بھی عربی زبان کا بنیادی علم بہر حال ناگزیر ہے اور متن کے ساتھ ساتھ قرآن کے کسی مترجم نسخے میں ترجمہ دیکھتے رہنا اس مقصد کے لیے قطعاً ناکافی ہے اور میں پوری دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ عربی کی اس قدر تحصیل کہ انسان قرآن مجید کا ایک رواں ترجمہ از خود سمجھ سکے اور تلاوت کرتے ہوئے بغیر متن سے نظر ہٹائے اس کے سرسری مفہوم سے آگاہ ہوتا چلا جائے‘ ہر پڑھے لکھے مسلمان کے لیے فرضِ عین کا درجہ رکھتا ہے۔

فہمِ قرآن کا دوسرا مرتبہ ’’تدبرِ قرآن‘‘ کا ہے۔ یعنی یہ کہ قرآن کو گہرے غور و فکر کا موضوع بنایا جائے اور اس کے علم و حکمت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کی کوشش کی جائے۔ اس لیے کہ قرآن ’’هُدًى لِّلنَّاسِ‘‘ ہے اور جس طرح عوام کو کائنات اور اپنی ذات کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر اور زندگی بسر کرنے کی واضح ہدایات عطا فرماتا ہے اسی طرح خواص اور اصحابِ علم وفکر کے لیے بھی کامل ہدایت اور مکمل رہنمائی ہے اور ان کے ذہنی و فکری سفر کے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر ان کی دستگیری فرماتا ہے۔

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (ص: 29)

’’(یہ قرآن) ایک کتابِ مبارک ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور سمجھ دار لوگ نصیحت حاصل کریں۔‘‘

چوتھا حق: حکم و اقامت

قرآن مجید کا چوتھا حق ہر مسلمان پر یہ ہے کہ وہ اس پر عمل کرے۔ اور ظاہر ہے کہ ماننا‘ پڑھنا اور سمجھنا‘ سب فی الاصل عمل ہی کے لیے مطلوب ہیں۔ اس لیے کہ قرآن مجید نہ تو کوئی ایسی کتاب ہے جس کا پڑھ لینا ہی دفعِ بلیات کے لیے کافی ہو‘ نہ یہ محض حصولِ برکت کے لیے نازل ہوا ہے کہ بس اس کی تلاوت سے ثواب حاصل کر لیا جائے یا اس کے ذریعے جان کنی کی تکلیف کو کم کر لیا جائے۔ بلکہ‘ جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے‘ یہ ’’هُدًى لِّلنَّاسِ‘‘ یعنی انسانوں کے لیے رہنمائی ہے‘ اور اس کا مقصدِ نزول صرف اس طرح پورا ہو سکتا ہے کہ لوگ اسے واقعتاً اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنا لیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا کہ: ’’اور جو فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق کہ جو اللہ نے نازل فرمایا تو ایسے ہی لوگ تو کافر ہیں۔‘‘ (المائدہ:44)

اور آنحضرت ﷺ نے مزید وضاحت فرما دی کہ: ’’تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔‘‘ (الشرح السنۃ) ’’جو شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرائے وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتا۔‘‘ (ترمذی)

ایک ایسے شخص کا معاملہ تو مختلف ہے جو ابھی

تلاشِ حق میں سرگرداں ہو اور قرآن کو پڑھ اور سمجھ کر ابھی اس کی حقانیت کے عدم یا اثبات کا فیصلہ کرنا چاہتا ہو لیکن جو لوگ قرآن کو کتابِ الٰہی تسلیم کریں ان کے لیے اس سے استفادے کی شرط لازم یہ ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کے رُخ کو قرآن کی سمت میں عملاً موڑ دینے اور اس کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کی حتی الامکان سعی کے عزمِ مصمم کے بعد قرآن کو پڑھیں۔ چاہے اس میں انہیں کیسے ہی کسر و انکسار، ترک و اختیار اور قربانی و ایثار کے ساتھ سابقہ پیش آئے۔ ورنہ اس کی تلاوت صرف وقت کا ضیاع ہی نہ ہو گی بلکہ عین ممکن ہے کہ اس کے لیے موجبِ عذاب ہو۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں بعض عارفین کا قول نقل فرمایا کہ قرآن کے بہت سے پڑھنے والے ایسے ہیں جنہیں سوائے لعنت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جب وہ پڑھتا ہے کہ: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ یعنی اللہ کی لعنت ہو جھوٹوں پر' تو اگر وہ خود جھوٹا ہے تو یہ لعنت اسی پر ہوئی! اسی طرح جب ایک قاری تلاوت کرتا ہے کہ: ''اور اگر ایسے نہیں کرتے تو تم تیار ہو جاؤ لڑنے کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ سے۔'' (البقرہ:279) اسی طرح کم تولنے اور تھوڑا ناپنے والے' پیٹھ پیچھے برائی کرنے والے اور رودر روطعنہ دینے والے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ اور وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ کی دردناک ''بشارتوں'' کے مصداق خود ہی بنتے ہیں اسی پر مزید قیاس کر لیجئے کہ عمل کے بغیر قرآن مجید کی تلاوت سے انسان کو درحقیقت کیا حاصل ہوتا ہے۔

یہاں یہ وضاحت البتہ ضروری ہے کہ ''عمل بالقرآن'' کے دو پہلو ہیں' ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔ قرآن مجید کے ایسے تمام احکام جو انسان کی انفرادی و نجی زندگی سے متعلق ہوں یا جن پر عمل کا اختیار اسے فی الفور حاصل ہو اُن کو بجالانے پر ہر انسان اسی دم مکلف ہو جاتا ہے جس دم وہ اس کے علم میں آئیں اور ان کے معاملے میں تاخیر کا کوئی جواز سرے سے موجود نہیں ہے۔ ایسے احکام کی اطاعت و تعمیل میں کوتاہی وہ جرم عظیم ہے' جس کی سب سے بڑی سزا خذلان اور سلبِ توفیق کی شکل میں ملتی ہے' حتیٰ کہ قول و کردار اور علم و عمل کا یہ فرق و تفاوت اور ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ کی یہ کیفیت بالآخر نفاق پر منتج ہوتی ہے۔ یہی حقیقت ہے جو آنحضور ﷺ کے اس قولِ مبارک میں بیان ہوئی کہ: ''میری اُمت کے منافقین کی سب سے بڑی تعداد قراء کی ہے۔'' (مسند احمد)

لہٰذا سلامتی کی راہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کا جس قدر علم بھی انسان کو حاصل ہو اس پر وہ حتی الامکان فوری طور پر عمل شروع کر دے۔

رہے دوسری قسم کے احکام' یعنی وہ جو ایسے اجتماعی معاملات سے متعلق ہوں' جن پر ایک فرد کو کلی اختیار حاصل نہیں ہوتا تو ان کے بارے میں ظاہر ہے کہ ہر شخص بجائے خود مسئول و مکلف نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ اس پر ضرور مکلف ہے کہ اپنی امکانی حد تک حالات کو بدلنے اور ایسا اجتماعی ماحول برپا کرنے کی سعی و جہد کرے جس میں پورے کا پورا قرآن سمویا جاسکے اور اس کے تمام احکام کی مکمل تنفیذ کی جاسکے۔ ان حالات میں اس کی یہ کوشش اور جدوجہد ''مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ'' اور ان اجتماعی احکامات کی بالفعل تعمیل کی قائم مقام ہو جائے گی۔ لیکن اگر انسان ایسی جدوجہد بھی نہ کرے اور مطمئن ہو کر بس اپنی زندگی کی بقاء اور اپنے بال بچوں کی پرورش میں لگا رہے تو اس صورت میں سخت خطرہ ہے کہ قرآن کے انفرادی و نجی نوعیت کے احکام پر عمل بھی ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ﴾ کے مصداق گردانا جائے!

پوچھا جاسکتا ہے کہ کتابِ الٰہی کے اس حق کی ادائیگی کے لیے کیا عملی تدبیر اختیار کی جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ایک فرد میں اسلام کی مطلوبہ تبدیلی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ پہلے قرآن کو اس کے دل و دماغ میں اتارا جائے تاکہ اس کا ذہن و فکر اور جذبات و احساسات سب قرآن کے تابع ہو جائیں' نتیجتاً اس کا عمل از خود قرآن کے تابع ہو جائے گا' اسی طرح کسی ہیئتِ اجتماعی میں بھی اسلامی انقلاب صرف اس طرح برپا کیا جاسکتا ہے کہ پہلے اس کے ذہین اور سوچنے اور سمجھنے والے طبقات کے قلوب و اذہان نورِ قرآن سے منور ہوں اور ان کے ''فکر و نظر'' میں قرآنی انقلاب برپا ہو جائے تو پھر اس سے نورِ ایمان اور بصیرتِ دینی ان دوسرے طبقات میں لازماً سرایت کریں گے جو جسدِ اجتماعی میں اعضاء و جوارح کی حیثیت رکھتے ہیں اور رفتہ رفتہ پوری اجتماعیت نورِ ایمان سے جگمگا اٹھے گی اور پورے کا پورا دین اپنے مکمل نظامِ عدلِ اجتماعی سمیت عملاً قائم ہو سکے گا۔

پانچواں حق: تبلیغ و تبیین

پانچواں حق جو ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت و استعداد عائد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔

پہنچانے کے لیے قرآن حکیم کی اصل اور جامع اصطلاح ''تبلیغ'' ہے' لیکن تبلیغ کے پہلو بھی بہت سے ہیں اور مدارج و مراتب بھی۔ حتیٰ کہ تعلیم بھی تبلیغ ہی کا ایک شعبہ اور تبیین بھی اسی کا ایک بلند تر درجہ ہے۔

قرآن حکیم نبی اکرم ﷺ پر اپنے نزول کا اوّلین مقصد یہ قرار دیتا ہے کہ: ''اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں تمہیں اور جنہیں بھی یہ پہنچ جائے انہیں اس کے ذریعے خبردار کردوں۔'' (الانعام)

ساتھ ہی اس بات کو غیر مبہم الفاظ میں واضح کر دیتا ہے کہ اس قرآن پاک کی بلاکم و کاست اور بعینہٖ تبلیغ آنحضور ﷺ کا وہ فرضِ منصبی ہے جس میں ادنیٰ کوتاہی بھی فرائضِ نبوت و رسالت میں تقصیر شمار ہو گی۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ میں انتہائی تاکیدی حکم دیا گیا: ''اے رسولؐ! جو کچھ تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی (بلا کم و کاست) تبلیغ کرو' اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ کے فرضِ رسالت کو ادا نہیں کیا۔'' (المائدہ:67)

بعثت کی پہلی ساعت سے لے کر حیاتِ دُنیوی کی آخری گھڑی تک مسلسل تیئیس سال آنحضور ﷺ اپنے اس فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے محنت و مشقت اٹھاتے اور شدائد و مصائب برداشت کرتے رہے اور اس عرصہ میں آپؐ کی دعوت اگرچہ بہت سے مراحل سے گزری لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے عرصے میں آپؐ کی جدوجہد کا اصل محور قرآن مجید ہی رہا' اور اسی کی تلاوت و تبلیغ اور تعلیم و تبیین میں آپؐ مسلسل مصروف رہے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے خطبے میں سوا لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعدد بار یہ شہادت لے کر کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے' آئندہ کے لیے یہ مستقل ہدایت جاری فرما دی کہ: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) یعنی اب جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ ان تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں۔ اور اس طرح قیامت تک کے لیے فریضہ تبلیغِ قرآن کا بوجھ امتِ محمد ﷺ کے کاندھوں پر آ گیا جس کے لیے بحیثیت مجموعی وہ اللہ کے ہاں مسئول ہو گی۔ اب ظاہر ہے کہ اُمت افراد ہی پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس اُمت کا ہر فرد اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق اس فرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ علماء اور فضلاء پر ذمہ داری ان کے علم و استعداد کی نسبت سے عائد ہوتی ہے اور عوام پر ان کی صلاحیت کی نسبت سے۔

بحالاتِ موجودہ یہ ایک بہت دُور کی بات اور سہانا خواب معلوم ہوتا ہے' اس لیے کہ واقعی صورت حال یہ ہے کہ وہ اُمت کو قرآن کو اقوام و اُممِ عالم تک پہنچانے کی ذمہ دار بنائی گئی تھی آج اس کی محتاج ہے کہ خود اسے قرآن ''پہنچایا'' جائے۔ لہٰذا اس وقت اصل ضرورت اس کی ہے کہ خود اُمتِ مسلمہ میں تعلیم و تعلّم قرآن کی ایک رَو چل نکلے اور مسلمان درجہ بدرجہ قرآن سیکھنے اور سکھانے میں لگ جائے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

زمانہ گواہ ہے

امریکہ کو اینٹی وال سٹریٹ جیسی تحریکوں اور از سرِ نو اُبھرتی ہوئی کمیونسٹ طاقت روس سے سرمایہ دارانہ نظام کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا لہٰذا اس کے تحفظ کے لیے ٹرمپ حکومت میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کو اُتارا گیا ہے: ایوب بیگ مرزا

انڈیا کا پلڑا سفارتکاری میں ہمیشہ پاکستان پر بھاری رہا ہے لیکن ٹرمپ کے آنے سے انڈیا مزید مضبوط ہوگیا ہے: رضوان الرحمان رضی

بین الاقوامی قوانین کے مطابق مغربی کنارے میں یہودی بستیاں غیر قانونی ہیں جبکہ اسرائیل میں ٹرمپ انتظامیہ کا امریکی سفارت کار فرائڈمین کہتا ہے کہ یہ غیر قانونی نہیں ہیں بلکہ اسرائیل کو حق حاصل ہے کہ وہ جتنی چاہے نئی بستیاں بنائے: رضاء الحق

ڈونلڈ ٹرمپ اور اس کی ٹیم: توقعات اور خدشات کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام "زمانہ گواہ ہے" میں نامور دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: آصف حمید

سوال: امریکی نظام حکومت میں تقرریوں کا طریقۂ کار کیا ہے۔ خاص طور پر ڈونلڈ ٹرمپ کی جو ٹیم بنے گی اس کی تشکیل کیسے ہوگی؟

ایوب بیگ مرزا: جمہوری طرز حکومت میں دو طرح کی حکومتیں ہوتی ہیں۔ ایک پارلیمانی طرز حکومت جس میں وزیر اعظم چیف ایگزیکٹو ہوتا ہے اور صدر کی حیثیت محض رسمی ہوتی ہے۔ جیسا کہ پاکستان میں صدر کے پاس اختیارات نہیں ہوتے۔ دوسرا صدارتی نظام ہے جس میں وزیر اعظم ہوتا ہی نہیں۔ وزراء کے اوپر صرف صدر ہوتا ہے اور اگر امریکہ کی بات کریں تو وہاں صدر کے بعد نائب صدر ہوتا ہے جو صدر کے ساتھ ہی منتخب ہوتا ہے۔ یعنی جس پارٹی کا صدر ہوتا ہے اسی پارٹی کے پینل کا نائب صدر ہی امریکہ کا نائب صدر ہوگا۔ نائب صدر کے بعد امریکہ میں کل 17 سیکرٹریٹ ہیں۔ ہمارے ہاں جو وزارت کہلاتی ہے امریکہ میں اسے سیکرٹریٹ کہا جاتا ہے اور ان کا سربراہ سیکرٹری کہلاتا ہے۔ امریکہ میں ان 17 سیکرٹریز کے ساتھ کل 700 افراد کی نامزدگی key پوزیشنز کے لیے ہوتی ہے اور ان سب کو صدر چنتا ہے۔ صدر کو اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہے سلیکٹ کر لے۔ ان 700 افراد میں سے 690 افراد کی فہرست منظوری کے لیے سینٹ کو بھیجی جاتی ہے جبکہ 10 افراد کے لیے صدر کی منظوری حتمی ہوتی ہے۔ سینٹ ایک ایک کر کے ان 690 افراد کی مختلف عہدوں کے لیے منظوری دیتا ہے۔ اگر سینٹ کسی شخص کو کنفرم نہ کرے تو صدر کو اختیار ہے کہ اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو نامزد کر دے لیکن اس کی منظوری بھی سینٹ دے گا۔ امریکہ میں انتخابات کا طریقۂ کار باقاعدہ وہاں کے آئین میں طے ہے کہ ہر لیپ سال کے نومبر کے پہلے سوموار کے بعد جو منگل کا دن آئے گا اس روز امریکہ میں الیکشن ہو سکتے ہیں۔ یعنی 2 نومبر اور 8 نومبر کے درمیان۔ نہ اس سے پہلے نہ بعد میں ہو سکتے ہیں۔

سوال: یہ کوئی توہمات کا اثر تو نہیں ہے؟

رضاء الحق: اس کی ایک بنیادی وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ سال کے شروع میں نئے صدر نے حلف اٹھانا ہوتا ہے اور اس سے قبل ٹرانزیشن کا عمل ہوتا ہے۔ اس لیے انہوں نے سال کے آخر میں انتخابات کے لیے ایک وقت مقرر کر لیا ہے۔

ایوب بیگ مرزا: اس کی ایک اور بھی وجہ ہو سکتی ہے

مرتب: ابو ابراہیم

کہ اگر ہماری طرح کا کوئی حکمران بدنیت ہو جائے اور عذر بنا کر الیکشن سے گریز کرتا چلا جائے تو ایسا اس قانون کی موجودگی میں ممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ قانون کی باقاعدہ خلاف ورزی ہوگی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ نیا صدر 20 جنوری کو حلف اٹھاتا ہے اور اس وقت تک نئے صدر کے پاس اڑھائی مہینے ہوتے ہیں جو کہ انتہائی اہم وقت ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں نیا صدر اپنی پوری ٹیم بناتا ہے اور پھر امریکہ چونکہ ایک بڑا ملک اور دنیا کی سپر پاور ہے اس لیے اس کے نئے صدر کو اپنی پوری ٹیم پوری احتیاط کے ساتھ بنانی پڑتی ہے اور اس میں وہ بڑی محنت کرتے ہیں۔ پھر اس عرصہ میں ٹرانزیشن کرانے والی ایک ٹیم بنائی جاتی ہے جس کا ایک سربراہ ہوتا ہے اور وہ مکمل ضابطے کے تحت ٹرانزیشن کرتی ہے۔ ان 700 key پوزیشنز کے علاوہ 3400 عدد non key پوزیشنز بھی ہوتی ہیں۔ ان کی نامزدگی بھی صدر ہی کرتا ہے اور سینٹ ان کی منظوری دیتا ہے۔ تو اس طرح کل 4100 افراد پر مشتمل یہ پورا نظام ہے۔

سوال: ڈونلڈ ٹرمپ نے ابھی تک کلیدی عہدوں پر کون کون سے لوگ فائز کیے ہیں؟

رضاء الحق: ڈونلڈ ٹرمپ نے 8 نومبر کو الیکشن جیتا اور 20 جنوری کو حلف اٹھایا ہے۔ اس دوان ٹرانزیشن ٹیم نے مختلف عہدوں کے لیے مختلف لوگوں کو نامزد کیا ہے اور کچھ کو نامزد کرنا ابھی باقی ہے۔ وہاں ضروری نہیں کہ تمام لوگوں کو سینٹ سے ہی نامزد کیا جائے لیکن عام طور پر جن لوگوں کو نامزد کیا جاتا ہے وہ سینٹ سے ہی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف ریاستوں کے گورنرز، ملٹری اور بزنس کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں کل 17 ڈیپارٹمنٹس ہوتے ہیں جو ہمارے ہاں وزارتیں کہلاتی ہیں۔ وہاں پر سیکرٹری آف سٹیٹ امور خارجہ کا عہدہ ہے۔ جیسے کنڈو لیزا رائس سیکرٹری آف سٹیٹ تھی۔ وہ پہلے یونیورسٹی میں ہسٹری کی پروفیسر تھی۔ جب اس کا دور ختم ہوا تو اس نے دوبارہ یونیورسٹی میں جا کے پڑھانا شروع کر دیا۔ اسی طرح ان 17 ڈیپارٹمنٹس میں سے ایک سیکرٹری آف انٹیریئر ڈیپارٹمنٹ ہے، کامرس کا ڈیپارٹمنٹ ہے، ٹریژری ڈیپارٹمنٹ (خزانہ) ہے۔ پھر وائٹ ہاؤس ایک علیحدہ ڈیپارٹمنٹ ہے اور ایگزیکٹیو آفس آف دی یونائیٹڈ سٹیٹ پریذیڈنٹ کا ایک علیحدہ آفس ہے۔ اس کے ایڈوائزرز ہوتے ہیں وہ بھی ایک ڈیپارٹمنٹ ہے۔ اسی طرح ہاؤسنگ کی منسٹری ہے۔ ہیلتھ کیئر کی منسٹری ہے۔ small business کی منسٹری ہے۔ ٹرانسپورٹیشن کی منسٹری علیحدہ ہے۔ اس طرح ان 17 ڈیپارٹمنٹس کے سربراہ وہاں پر سیکرٹری کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد 700 کلیدی عہدوں میں انٹیلی جنس ایجنسیز کے مختلف ڈیپارٹمنٹس کے سربراہ آتے ہیں۔ جیسے ہوم لائن سکیورٹی، سینٹرل انٹیلی جنس ایجنسی (CIA) اور نیشنل انٹیلی جنس ایجنسی کے علیحدہ علیحدہ محکمے ہیں۔ ان کے سربراہ ڈائریکٹر کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کابینہ کے سیکرٹریز، cabinet rank کے آفیشلز اور سفارت کاران عہدوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح سکیورٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن ہم جس کو سٹاک ایکسچینج کہتے ہیں۔ وہاں پر ایک سے

زیادہ سٹاک ایکسچینجز ہیں ان کے سربراہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان 700 عہدوں میں سے ایک اٹارنی جنرل کا عہدہ بھی ہے جو ڈیپارٹمنٹ آف جسٹس کا ہیڈ ہوتا ہے۔ ابھی تک ڈونلڈ ٹرمپ نے 30 کے قریب لوگوں کو نامزد کیا ہے۔ ان میں نائب صدر کے عہدے پر Mike Pence کو سلیکٹ کیا گیا ہے۔

سوال: Mike Pence کا پروفائل کیا ہے؟

ایوب بیگ مرزا: پہلی بات یہ ہے کہ نائب صدر کا کوئی الگ کام نہیں ہوتا۔ آپ یوں سمجھ لیجیے وہ صدر کا دست راست یا معاون ہوتا ہے اور صدر جو پالیسی بناتا ہے اس کو نافذ کرنے میں وہ صدر کی مدد کرتا ہے۔ Mike Pence 2013ء میں ریاست انڈیانا کے گورنر تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قدامت پسند یا رجعت پسند لوگوں میں سے ہیں، ہم جنس پرستی کے سخت خلاف ہیں۔ یعنی ان کو آپ مذہبی یا آرتھوڈوکس کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ تارکین وطن اور مہاجرین کے بھی سخت خلاف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امریکی کہلانے کا حق صرف اسی کو ہے جو باقاعدہ امریکی ہے۔ یہ اسلحہ کے خلاف نہیں ہیں اور اس حق میں ہیں کہ عوام کے پاس گن ہونی چاہیے۔ یہ اسرائیل کے بڑے زبردست حامیوں میں سے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب امریکی حکومت کا جزو بننے کے لیے اسرائیل کا حمایتی ہونا بہت ضروری ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ یہ گوانتانا موبے جیل بند کرنے کے بھی سخت خلاف ہیں۔ یہ عراق اور افغانستان کی جنگ کے حق میں تھے اور وہاں سے فوجوں کی واپسی کے خلاف ہیں۔ البتہ ان کا خیال ہے کہ امریکہ میں ٹیکس بہت زیادہ ہے لہٰذا یہ ٹیکس کم کرنے کے حق میں ہیں اور ظاہر ہے بحیثیت نائب صدر یہ اس معاملے میں صدر پر اثر انداز بھی ہوں گے۔ مسلمانوں کے بارے میں ان کی ذہنیت یہ ہے کہ مسلمانوں کو امریکہ میں داخلے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ پکے محب وطن امریکی ہیں۔

سوال: اس کے علاوہ کونسی تقرریاں ہوئی ہیں؟

رضاء الحق: سیکرٹری آف سٹیٹ کے لیے ریکس ٹیلرسن نامزد ہوا ہے جو کہ ایک بزنس مین ہے اور امریکہ کی سب سے بڑی آئل کمپنی Exxon Mobil کا CO رہا ہے۔ اس کی تقرری کے پیچھے ایک دلچسپ کہانی ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ کی جب کنڈولیزا رائس سے ملاقات ہوئی تو اس نے ریکس ٹیلرسن کا نام پیش کیا اور کہا کہ یہ شخص آپ کے لیے سیکرٹری آف سٹیٹ اچھا رہے گا۔ پھر رابرٹ گیٹس نے اس کو سیکنڈ کیا۔ ٹرمپ کی ٹرانزیشن ٹیم کے اندر سنی لینن (یہودی) اور مائیک برانن کا بہت بڑا رول ہے۔ انہوں نے پھر اس کو انڈورس بھی کیا۔ حالانکہ سیکرٹری آف سٹیٹ کی پوزیشن کے لیے بٹ رومنی اور ڈیوڈ پیٹریاس جیسے لوگوں کا نام بھی آ رہا تھا لیکن اس کے باوجود اسے بنایا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ ایکسن موبل کمپنی کا سی او تھا تو اس کے عرب ممالک کے تمام لیڈروں کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ روس کے صدر پیوٹن کے ساتھ بھی اس کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اس لیے یہ بہت اہم بندہ ہے۔ کیونکہ امور خارجہ میں ڈپلومیسی کی بڑی اہمیت ہے اور یہ ڈپلومیسی میں اپنے بزنس پوائنٹ آف ویو کو استعمال کر سکتا ہے۔ مذہبی لحاظ سے یہ نیو آرتھوڈوکس عیسائی ہے۔ نیو آرتھوڈوکس لبرل عیسائیوں کی ایک نئی شاخ ہے۔ ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ میں تمام سفارت کاروں کے کلیدی عہدے بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان کے لیے ابھی تک تین سفارت کار نامزد ہوئے ہیں۔ ان میں سے اسرائیل کے لیے ڈیوڈ فرائڈ مین کو بطور سفارت کار

> امریکہ کے نائب صدر Mike Pence کی مسلمانوں کے بارے میں ذہنیت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو امریکہ میں داخلے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

نامزد کیا گیا ہے جو کہ ایک بینک کرپسی قانون دان ہے۔ یہ یہودی ہے کیونکہ اسرائیل کسی غیر یہودی کو بطور سفارت کار قبول نہیں کرتا۔ بین الاقوامی قوانین میں 1967ء کے بارڈرز کو انٹرنیشنل باؤنڈری تسلیم کر لیا گیا ہے اور اب اس کے مطابق مغربی کنارے میں جو بھی بستیاں بنائیں جائیں گی وہ غیر قانونی کہلائیں گی۔ لیکن ڈیوڈ فرائڈ مین کہتا ہے کہ وہ بستیاں غیر قانونی نہیں ہیں بلکہ اسرائیل کو حق حاصل ہے کہ وہ مزید بستیاں بنائے چاہے وہ غیر قانونی ہوں یا قانونی ہوں۔ یہ اس امریکن تنظیم البرٹ کا بھی صدر ہے جو فلسطین میں غیر قانونی یہودی بستیوں کو مدد فراہم کرتی ہے۔ اسی طرح وہ مسئلہ فلسطین کے دو ریاستی حل کے بھی حق میں نہیں ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ وہاں صرف ایک ہی اسرائیلی ریاست ہونی چاہیے۔ دوران الیکشن مہم بھی یہ اسرائیل کے متعلقہ امور میں ڈونلڈ ٹرمپ کا مشیر رہا ہے اور اس کی کوشش رہی ہے کہ ٹرمپ اسرائیل کے خلاف کوئی بات نہ کرے۔ اسرائیل کے رائٹ ونگ انگلش میگزین میں بھی اس کے کالمز آتے رہتے ہیں۔ دوسری شخصیت جو اقوام متحدہ میں امریکہ سفارت کار نامزد ہوئی ہے وہ نمراتا نکی ہیلی ہے جو کہ ایک ہندو عورت ہے۔ یہ 1970ء میں انڈیا میں پیدا ہوئی تھی اور اس سے پہلے وہ ساؤتھ کیرولینا کی گورنر تھی۔ اس کے بارے میں دو چیزیں بہت اہم ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ساؤتھ کیرولینا کی بزنس وومن ایسوسی ایشن کی صدر ہے اور دوسرا یہ لیکسن روٹری کلب کی ممبر ہے جو فری میسن کے ساتھ ملحق ہے۔ یہ بھی پرو اسرائیل ہے۔ اسی طرح چائنہ کے لیے ٹیری برینسٹیڈ کو بطور سفارت کار نامزد کیا گیا ہے۔

ایوب بیگ مرزا: ایک اور بات کی طرف میں توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ جن افراد کا نام لیا گیا ہے ان میں سے اکثر ارب پتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے دیکھا کہ کچھ عرصہ پہلے امریکہ میں اینٹی وال سٹریٹ تحریک چلی تھی۔ علاوہ ازیں سوویت یونین بھی ٹکڑے ہونے کے بعد پیوٹن کی قیادت میں دوبارہ اُبھرا ہے۔ یہ ایسے سگنلز تھے کہ امریکہ نے محسوس کیا ہے کہ دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کو دوبارہ خطرہ لاحق ہو سکتا ہے لہٰذا اس نظام کو تحفظ دینے کے لیے امریکہ نے زبردست قسم کے سرمایہ داروں کو میدان میں اُتارا ہے۔

سوال: سیکرٹری آف ڈیفنس کی بہت اہم پوسٹ ہے، اس کے لیے کوئی نامزد ہوا ہے یا نہیں؟

ایوب بیگ مرزا: اس کے لیے جیمز میٹس کو نامزد کیا گیا ہے جو کہ ایک سابق جنرل ہے اور اسے mad dog (پاگل کتا) بھی کہا جاتا ہے۔ ہم تو یہ لفظ نفرت کے انداز میں استعمال کرتے ہیں لیکن انہوں نے اس شخص کو یہ خطاب دیا ہوا ہے۔ کیونکہ جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تھا تو اس شخص نے وہاں سول شہریوں کا بے دردی کے ساتھ قتل عام کیا تھا۔ اس پر اس کو mad dog کا خطاب دیا گیا۔ یعنی اس نے بڑا بہادری اور جرأت والا کام کیا ہے کہ سویلین کو مارا ہے کہ جس طرح ایک پاگل کتا ہر کسی کو کاٹتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اس میں ایک بات ہے کہ یہ بہت کھل کر بولتا ہے۔ حتیٰ کہ اسرائیل کے خلاف بھی بول لیتا ہے اور وہاں کے لیے دو ریاستی حل کا حامی ہے کہ فلسطین اور اسرائیل دونوں کی الگ الگ ریاستیں ہونی چاہئیں۔ یہ اسرائیل سے واضح طور پر کہتا ہے کہ اگر تم نے یونہی غیر قانونی آبادکاری کا سلسلہ جاری رکھا تو پھر تم ایک نسل پرست ریاست کہلاؤ گے۔ اس کا تعلق امریکی فوج کے میرین کور سے تھا اور امریکی افواج کے مشہور ترین جرنیلوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ ایران اور داعش کا بھی بہت مخالف ہے۔ ٹرمپ روس سے اچھے تعلقات قائم کرنے کے حق میں ہے جبکہ یہ اینٹی رشین ہے۔ ٹرمپ پیوٹن کی حمایت کرتا ہے جبکہ یہ کہتا ہے کہ پیوٹن نیٹو کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ تو یہ ایک اپنے ذہن کا آدمی ہے۔

رضاء الحق: اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ عسکری نقطۂ نظر سے بہت اونچے اونچے عہدوں پر فائز رہا ہے۔ امریکہ کی یونائیٹڈ الائیڈ کمانڈ کا یہ کمانڈر انچیف رہا ہے،

سینٹ کام کا بھی یہ کمانڈر انچیف رہا ہے اور فلوجہ میں بھی برطانیہ اور امریکہ دونوں کی فوجوں کو یہی لیڈ کر رہا تھا۔

سوال :ٹرمپ نے اپنے داماد کو بھی کلیدی عہدے کے لیے نامزد کیا ہے۔ کیا یہ اس نے ہمارے والا کام نہیں کیا؟

ایوب بیگ مرزا :ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے والا کام کیا ہے۔ لیکن وہ شخص یہودی مفادات کے حوالے سے بہت اہم آدمی ہے۔ یہ ٹرمپ کی بیٹی کا شوہر ضرور ہے لیکن اس نے اس کی بیٹی کو عیسائی نہیں رہنے دیا بلکہ پہلے اس کو یہودی کیا پھر اس کے ساتھ شادی کی۔ یہ ٹرمپ کی انتخابی مہم میں شامل رہا اور اس وقت ٹرانزیشن ٹیم کا ہیڈ ہے۔ اس کے لیے ٹرمپ نے خاص طور پر کلیئرنس لی تھی۔ امریکی حکومت میں نئے آنے والوں کی باقاعدہ انٹیلی جنس کلیئرنگ ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں تو پرانے لوگ نئے آنے والوں کو دیکھ کر منہ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں لیکن امریکہ میں پرانے لوگ نئے لوگوں کو بریف کرتے ہیں کہ کس طرح ہم نے کام چلایا اور آپ کو اب کیا کرنا ہے۔ ٹرمپ کا داماد بلحاظ عہدہ اس بریفنگ میں تب تک شامل نہیں ہو سکتا تھا جب تک انٹیلی جنس کی طرف سے کلیئرنس حاصل نہ ہوتی۔ لیکن ٹرمپ نے خاص طور پر اس کو کلیئرنس دلوائی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹرمپ نے ایسا خاص طور پر امریکن اور یہودی انٹرسٹ میں کیا ہے۔ وہ اچھا کرے یا برا لیکن آپ دیکھیں گے کہ یہ شخص اس کے لیے بہت کام کرے گا۔

سوال : ڈونلڈ ٹرمپ کے صدر بننے پر بھارت میں بڑی خوشی منائی گئی اور اب ٹرمپ حکومت میں ایک انڈین خاتون سیکرٹری بھی بن چکی ہے جو کہ ظاہر ہے انڈیا کی ہی نمائندگی کرے گی۔ تو ہندو ٹرمپ سے اتنا خوش کیوں ہیں؟

رضوان رضی :بھارتیوں نے شروع دن سے ہی ہیلری کو ہرانے کے لیے اپنا وزن ٹرمپ کے پلڑے میں ڈال دیا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ہیلری بہت سارے ایشوز پر بھارت کا بیانیہ (منترا) نہیں بول رہی تھی جو کہ انڈیا بلوانا چاہ رہا تھا۔ اس کے علاوہ کبھی کبھار ہیلری کلنٹن کشمیر کے اوپر بھی بیان دے دیتی تھی۔ جب وہ وزیر خارجہ تھی تو کشمیر میں ہیومن رائٹس وائیلیشن کے خلاف بھی بول لیتی تھی۔ اس لیے ہندوؤں نے ان کو ٹارگٹ پر رکھا ہوا تھا۔ لیکن ہمارے دفتر خارجہ میں اس حوالے سے کوئی ہوم ورک ہی نہیں ہوا۔ ہم صرف تماشائی بنے بیٹھے رہے۔ ہمارے فاطمی صاحب اب وہاں گئے ہیں جب ٹرمپ جیت کر آ گیا ہے۔ لیکن وہاں پر ہمارے بارے میں جذبات یہ ہیں کہ فاطمی صاحب دو ہفتے بیٹھے رہے لیکن ان کی ملاقات ٹرمپ سے نہیں ہو سکی۔ لہٰذا ظاہراً نظر یہی آتا ہے کہ وہاں ہمارے بارے میں کوئی اچھے جذبات نہیں پائے جاتے۔ لیکن ابھی جو سیکرٹری آف سٹیٹ نامزد ہوا ہے وہ سینٹ کام کا ہیڈ رہا ہے اور افغانستان میں بہت سا وقت گزار کر گیا ہے۔ ظاہر ہے جو سینٹ کام کا ہیڈ ہوتا ہے اس کو پاکستانی اداروں کے ساتھ continually intercept کرنا پڑتا ہے اور تھوڑی بہت خیر سگالی اسے پاکستانی اداروں سے رکھنی پڑتی ہے۔ اس نے اپنے پہلے انٹرویو میں پاکستان کے متعلق دو فقرے بہت اہم کہے ہیں۔ اس نے کہا ہے کہ ہم پاکستان کو انگیج کریں گے اور incentive دیں گے۔ مطلب اس سے کام لیں گے مگر ترغیب کے ساتھ، ڈنڈا مار کر نہیں۔

سوال :انڈیا میں جو خوشیاں منائی گئیں ہیں ہم کیا سمجھیں کہ انڈیا کو اب مزید مستحکم سہارا مل گیا ہے؟

رضوان رضی :انڈیا کا پاکستان کے سفارتی محاذ پر ہمیشہ

> ٹرمپ حکومت نے سابق جنرل جیمز میٹس کو سیکرٹری دفاع نامزد کیا ہے جس کو عراق میں نہتے شہریوں کا قتل عام کرنے پر امریکہ میں mad dog (پاگل کتا) کا خطاب دیا گیا ہے۔

ہولڈ رہا ہے۔ اس نے پاکستان کے اصلی اور حقیقی کیس (کشمیر) کو بھی آگے نہیں آنے دیا اور خود اس نے بہت سارے اہداف جن میں مشرف کے دور میں جہاد کشمیر کی پیٹھ میں چھرا گھونپا جانا، کشمیری مجاہدین کے کیمپوں کا راتوں رات وائنڈ اپ کیا جانا، ایل او سی کو انٹرنیشنل بارڈر مان کر اس پر باڑ کا لگایا جانا جس میں کرنٹ دوڑتا ہے اور پاکستان کے ساتھ ٹریڈ کا کھلوایا جانا جس کو ہیلری کلنٹن نے اپنی موجودگی میں کروایا تھا۔ یہ سارے اہداف انڈیا نے امریکہ کے ذریعے حاصل کیے ہیں اور اوبامہ کے دور میں حاصل کیے ہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انڈیا کبھی کمزور ہوا ہے۔ البتہ موجودہ صورت حال میں وہ زیادہ سٹرانگ ضرور ہو گیا ہے کیونکہ انڈیا میں ٹرمپ کی ذاتی سرمایہ کاری چل رہی ہے۔ اس وقت بے شک ٹرمپ نے اپنے بزنس سے استعفیٰ دے دیا ہے لیکن جب اس کا دور صدارت ختم ہوگا تو وہ دوبارہ ٹرمپ کارپوریشن کا چیئرمین ہوگا اور ظاہر ہے اسے اس وقت اور بھی اچھا لگے گا۔ اس وقت اس کی انڈیا کے ساتھ تین بلین ڈالرز کی commitment ہے اور صرف یہی ایک چیز اس کا انڈیا کی جانب جھکاؤ کرنے کے لیے کافی ہوگی۔ دوسری طرف ہمارے پاس امور خارجہ کا باقاعدہ ادارہ موجود ہے جس میں اکیس بائیس گریڈ کے آفیسرز کام کر رہے ہیں لیکن انہوں نے ابھی تک امریکہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ کے اس بیان کو exploit کرنے کی شعوری کوشش ہی نہیں کی جس میں اس نے پاکستان کو انگیج کرنے کی بات کی ہے جو کہ ظاہر ہے ہم لیک کر رہے ہیں۔ ہمارے دفتر خارجہ سے ابھی تک فالو اپ لیٹر چلا جانا چاہیے تھا کہ جناب آپ پاکستان کو incentive دیں گے تو آپ کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔ ہمارا امریکہ میں ایک سفیر بھی ہے اور اقوام متحدہ کا ایک مستقل مندوب بھی ہے، وہ بھی امریکہ میں ہوتا ہے۔ ان کا بھی کوئی کام بنتا ہے لیکن ابھی تک ہم اس حوالے سے مجرمانہ بے عملی کا شکار نظر آ رہے ہیں۔

رضاء الحق :رضی صاحب نے جس بیان کا ذکر کیا وہ امریکہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ کا نہیں بلکہ سیکرٹری آف ڈیفنس کا بیان تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان کی وہاں پر لابنگ نہیں ہے تو پاکستان اس کے ایکشن پر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔

ایوب بیگ مرزا :ہمارے حکمرانوں کی اپنی اپنی لابنگ امریکہ میں ضرور ہے، چاہے پیپلز پارٹی کی ہو یا ن لیگ کی ہو لیکن پاکستان کی لابنگ نہیں ہے۔

سوال :امریکہ میں جو بھی صدر آ رہا ہے مسلم اُمہ کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ عالم عرب اور پاکستان کے آئندہ کے حالات آپ کو کیسے نظر آ رہے ہیں۔

ایوب بیگ مرزا :عالم عرب کے حالات تو مخدوش ہی ہیں۔ جیسے کہتے ہیں تباہی کے قریب کوئی پہنچ چکا ہو۔ اس لیے کہ ان کے پاس کتنی دولت اور کتنے وسائل ہیں لیکن آج تک وہ کوئی دفاعی نوعیت کی انڈسٹری نہیں بنا سکے۔ اگرچہ پاکستان کی حیثیت بھی اتنی بڑی طاقتوں کے سامنے کچھ نہیں ہے لیکن پاکستان نے دفاعی حوالے سے کافی کام کیا ہے خاص طور پر ایٹمی ٹیکنالوجی اور میزائل ٹیکنالوجی میں جس طرح پاکستان آگے بڑھ رہا ہے وہ دشمنوں کے لیے ایک رکاوٹ تو ثابت ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری کمزوریاں بھی عیاں ہیں لیکن اس کے باوجود ہم نے کچھ نہ کچھ بندوبست کیا ہے۔ لیکن عالم عرب مکمل طور پر امریکیوں کا محتاج ہے۔ جبکہ امریکی اسرائیل کے ہاتھوں یرغمال بنے ہوئے ہیں لہٰذا امریکی چاہتے ہوئے بھی عربوں کے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے۔ جان کیری نے حال ہی میں اسرائیل مخالف جو بیان دیا تھا اس کی وضاحت کرتے ہوئے بعد ازاں اس نے اسرائیل کی منتیں بھی کی ہیں۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ عالم عرب بہت زیادہ خطرے میں ہے۔

☆☆☆

قارئین پروگرام "زمانہ گواہ ہے" کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

ویلنٹائن ڈے: ایک بیہودہ رسم

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”تم (یعنی میری اُمت کے لوگ) لازماً پچھلی اُمتوں کے طریقوں کی بالشت برابر بالشت پیروی کرو گے اور بالکل ان کے قدم بقدم چلو گے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو اس میں بھی تم اُن کی پیروی کرو گے“ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہود و نصاریٰ (مراد ہیں؟) آپؐ نے فرمایا: ”تو اور کون؟“ (بخاری و مسلم)

ویلنٹائن: تاریخ کے آئینے میں

روم کی مشرکانہ رسم:

اس دن کے بارے میں سب سے پہلی روایت روم میں عیسائیت سے قبل کے دور سے ملتی ہے جب روم کے بت پرست مشرکین 15 فروری کو ایک جشن مناتے جو کہ Feast of the wolf یا Feast of Lupercalius کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ جشن وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے اعزاز میں انہیں خوش کرنے کے لئے مناتے تھے۔ ان دیوی دیوتاؤں میں Pan (فطرت کا دیوتا)، Februata Juno (عورتوں اور شادی کی دیوی) اور pastoral gol Lupercalius (رومی دیوتا جس کے کئی دیویوں کے ساتھ عشق و محبت کے تعلقات تھے) شامل ہیں۔ اس موقع پر ایک برتن میں تمام نوجوان لڑکیوں کے نام لکھ کر ڈالے جاتے تھے جس میں سے تمام لڑکے باری باری ایک پرچی اٹھاتے اور اس طرح لاٹری کے ذریعے منتخب ہونے والی لڑکی اُس لڑکے کی ایک دن، ایک سال یا تمام عمر کی ساتھی (Sexual companion) قرار پاتی۔ یہ دونوں محبت کے اظہار کے طور پر آپس میں تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے اور بعض اوقات شادی بھی کر لیتے تھے۔

اسی طرح ویلنٹائن کارڈز پر دکھائے جانے والے نیم برہنہ اور تیر کمان اٹھائے ہوئے ”کیوپڈ“ (Cupid) کی تصویر بھی ویلنٹائن کی خصوصی علامت ہے اور رومن عقیدے کی رو سے وینس (محبت اور خوبصورتی کی دیوی) کا بیٹا ہے جو کہ لوگوں کو اپنے تیر سے نشانہ لگا کر انہیں محبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

عیسائیت کا اثر:

جب روم میں عیسائیت منظر عام پر آئی تو عیسائیوں نے اس جشن کو اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کیلئے 14 فروری کی تاریخ کا انتخاب کیا گیا جس دن بادشاہ کلاڈیئس دوم (Claudius-II) نے ایک عیسائی پادری ”ویلنٹائن“ کو سزائے موت دی تھی۔ 496ء میں پوپ Gelasius نے سرکاری طور پر 15 فروری کے رومی فیسٹول Lupercalia کو بدل کر 14 فروری کو سینٹ ویلنٹائن ڈے منانے کا اعلان کر دیا اس وقت سے تہوار اسی نام سے منایا جا رہا ہے۔

پھانسی سے پہلے جیل میں اس پادری نے جیلر کی بیٹی کے ساتھ ناجائز محبت کا تعلق قائم کر لیا تھا اور وہ اس سے جیل میں ملنے آیا کرتی تھی۔ لیکن یہ ایک راز تھا کیوں کہ عیسائی قوانین کے مطابق پادریوں اور راہبوں کے لیے شادی کرنا یا محبت کرنا ممنوع تھا۔ اس کے باوجود عیسائی ویلنٹائن کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیوں کہ جب رومی بادشاہ نے اسے پیشکش کی کہ اگر وہ عیسائیت کو چھوڑ کر رومی خداؤں کی عبادت کرے تو اسے معاف کر دیا جائے گا اور بادشاہ اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دے گا۔ تو اس نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکار کر دیا۔ جس کے نتیجے میں اسے رومی جشن سے ایک دن پہلے 14 فروری 270ء کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے جیلر کی بیٹی کو ایک خط لکھا جس کا خاتمہ "From your Valentine" کے الفاظ سے کیا۔ بہت سے ویلنٹائن کارڈز پر لکھے جانے والے greetings کے الفاظ "From Your Valentine" اسی واقعہ کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہیں۔ (ماخوذ: انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، کیتھولک انسائیکلو پیڈیا)

ویلنٹائن ڈے:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

1۔ ہمیں ایسے تہواروں سے اجتناب کرنا چاہیے جس کا تعلق کسی مشرکانہ عقیدہ یا کافرانہ رسم سے ہو۔ ہر قوم کا اپنا ایک علیحدہ خوشی کا تہوار ہوتا ہے اور اسلام میں مسلمانوں کے خوشی کے تہوار واضح طور پر متعین ہیں۔ اللہ کے رسولؐ نے عید الفطر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ”ہر قوم کی اپنی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے“۔ (بخاری و مسلم)

2۔ ویلنٹائن ڈے منانے کا مطلب مشرک رومی اور عیسائیوں کی مشابہت اختیار کرنا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے“۔ (احمد، ترمذی)

3۔ موجودہ دور میں ویلنٹائن ڈے منانے کا مقصد ایمان اور کفر کی تمیز کئے بغیر تمام لوگوں کے درمیان محبت قائم کرنا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار سے ضروری نوعیت کے تعلقات تو اُستوار کیے جا سکتے ہیں لیکن دلی محبت ممنوع ہے۔ اسلام نظریہ کی بنیاد پر محبت کا قائل ہے مراکش یا افریقہ کا مسلمان ایک پاکستانی مسلمان کو کافر ہم وطن سے کہیں زیادہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”آپ انہیں دیکھیں گے ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہی ہوں“۔ (المجادلہ: 22)

4۔ اس موقع پر نکاح کے بندھن سے قطع نظر ایک آزاد اور رومانوی قسم کی محبت کا اظہار کیا جاتا ہے جس میں لڑکے لڑکیوں کا آزادانہ ملاپ، تحائف اور کارڈز کا تبادلہ اور غیر اخلاقی حرکات کا نتیجہ زنا اور بداخلاقی کی صورت میں نکلتا ہے۔ جو اس بات کا اظہار ہے کہ ہمیں مرد اور عورت کے درمیان آزادانہ تعلق پر کوئی اعتراض نہیں، اہلِ مغرب کی طرح ہمیں اپنی بیٹیوں سے عفت مطلوب نہیں اور اپنے نوجوانوں سے پاک دامنی درکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے“۔ (النور: 19)

5۔ نبی اکرم ﷺ نے جو معاشرہ قائم فرمایا اس کی بنیاد حیا پر رکھی جس میں زنا کرنا ہی نہیں اِس کے قریب پھٹکنا اور

اس کے اسباب پھیلانا بھی ایک جرم تھا۔ مگر اب لگتا ہے کہ آپؐ کے اُمتی حیا کے اس ''بھاری بوجھ'' کو زیادہ دیر تک اٹھانے کے لیے تیار نہیں بلکہ اب وہ حیا کے بجائے وہی کریں گے جو اُن کا دل چاہے گا۔ فرمانِ نبویؐ ہے: ''جب تم حیا نہ کرو تو جو تمہارا جی چاہے کرو''۔ (بخاری)

گویا جو شخص بے حیائی کا مظاہرہ کرتا ہے وہ کسی بھی نوع کی بُرائی یا گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اُس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اُسے بُرائی بُرائی نہیں لگتی جس سے اصلاح کے امکانات انتہائی کم ہو جاتے ہیں۔ ایسا شخص دنیوی دولت سے کتنا ہی مالا مال کیوں نہ ہو معاشرے میں اُس کی کوئی عزت اور قدر نہیں ہوگی اور زندگی میں تائب نہ ہونے کی صورت میں وہ جہنم کا ایندھن بنے گا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بے حیائی اور بے غیرتی کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔

6۔ مزید برآں موسیقی، ڈانس اور شراب نوشی جیسی کھلی نافرمانیاں بھی اس رسم کا خاصہ ہیں جن کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

7۔ ویلنٹائن ڈے کا منانا دراصل عشق و عاشقی کے فروغ کا بے ہودہ سلسلہ ہے جو انسان کے دل و دماغ اور قیمتی وقت کو قطعی غیر ضروری اور بے تکے مشغلہ میں مشغول رکھتا ہے۔ یہ نہ صرف نئی نسل کو راہ راست سے بھٹکانے کا باعث بن رہا ہے بلکہ اُن تعلیمات سے دُور کرنے کا سبب بھی ہے جو ہمارا دین ہمیں دیتا ہے۔

8۔ اسلام نکاح کے بندھن کے بغیر مرد و عورت کے درمیان کسی محبت کی اجازت نہیں دیتا۔ خاندان، دوست احباب اور شادی شدہ لوگوں کو محبت کے اظہار کے لیے کسی ایک دن کو مخصوص کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ بھی ایسا جس کی بنیاد غیر اسلامی ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر کوئی شخص اپنے کسی بھائی سے محبت کرتا ہے تو اس سے کہہ دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے''۔ (ابوداؤد، ترمذی)

کچھ لوگ کہتے ہیں اس میں حرج کیا ہے۔ محبت کرنا کیا کوئی بری بات ہے۔ خدا کے بندوں محبت کرنی ہے تو اللہ سے کریں۔ قرآن کہتا ہے۔ ایمان والوں کی سب سے بڑھ کر محبت اللہ سے ہو۔ (البقرۃ:165) محبت کرنی ہے تو رسول اللہ ﷺ سے محبت کریں۔ قرآن کہتا ہے۔ نبی ﷺ ایمان والوں کے نزدیک ان کی جانوں سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ (احزاب:6) محبت کرنی ہے تو ماں باپ سے محبت کیجیے۔ جن کی طرف شفقت کی ایک نگاہ ڈالنا ایک حج کے ثواب کے برابر ہے۔ محبت کرنی ہے تو اپنے حقیقی بہن بھائیوں سے کیجئے کہ رحمی رشتوں کے حقوق ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور محبت کرنی ہے تو نکاح کے پاکیزہ بندھن کو اختیار کیجیے کہ حدیث کے مطابق نکاح کے بندھن سے بڑھ کر محبت میں پائیداری کسی اور شے سے نہیں آتی۔ لیکن آج بے حیائی، بے شرمی، پردے کو تار تار کرنا، حیا کے دامن کو تار تار کرنا، اللہ کے احکامات کو پامال کرنا، اور پھر یہ کہنا کہ محبت کرنے میں کیا حرج ہے، یقیناً حرج ہے! کافروں کی پیروی کرنے میں حرج ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں شمار کیا جائے گا۔

افسوس کہ اتنی پاکیزہ اور اعلیٰ تعلیمات پر ایمان رکھنے والوں کو بھی مغربی تہذیب ہی نہایت آئیڈیل دکھائی دیتی ہے اور وہ غیر اسلامی رسموں وتہواروں کو منانا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ آج ہر طرف مسلمان لہو رنگ ہیں لیکن اہلِ وطن کی بے حسی کبھی بسنت کی زردی میں ڈھل جاتی ہے اور کبھی ویلنٹائن ڈے کی سرخ آندھی بن کر چھا جاتی ہے۔ کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق وغیرہ مسلمانوں کے خون سے رنگ آلود ہیں مگر ویلنٹائن ڈے کے موقع پر سرخ اشیاء سے مسلمانوں کے ہاتھ بھرے ہوتے ہیں۔ پاکستان کی پچاس فیصد سے زائد آبادی زندگی کی بنیادی ضروریات بھی حاصل نہیں کر پاتی مگر چند امیر زادے نام و نمود اور عیاشی کے نام پر اس مشرکانہ اور کافرانہ رسم پر اربوں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔

غرض یہ رسم ہماری بے حسی، بے غیرتی اور دین سے دوری کا سبب بن رہی ہے۔

خدارا! اب بھی باز آجائیں اور جو لوگ لاعلمی میں یہ غلط رسم منا رہے ہیں انہیں باز رکھنے کی کوشش کیجیے۔ ایسی بے ہودہ اور لچر رسمیں سوسائٹی میں انتہائی سنگین نوعیت کے مسائل پیدا کر دیتی ہیں۔ پہلے ہی ہمارا معاشرہ اسلامی تہذیب اور پسندیدہ اخلاق سے محروم ہوا چاہتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جائیں اور آئندہ نسلیں ان ایام کو سوگ کے دن قرار دینے پر مجبور ہو جائیں!

دعائے صحت کی اپیل

☆ امیر حلقہ جنوبی پنجاب محمد طاہر خاکوانی کی والدہ محترمہ بیمار ہیں اور ہسپتال میں داخل ہیں

اللہ تعالیٰ اُن کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء واحباب سے بھی دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ بیٹی، عمر 22 سال، تعلیم ایم کام (ایچ آر ایم)، قد "2-'5 اور بیٹا، عمر 28 سال، تعلیم سی اے برسر روزگار کے لیے دینی مزاج کے حامل گھرانوں سے ہم پلہ رشتے درکار ہیں۔

لاہور کے رہائشی قابل ترجیح۔

برائے رابطہ: 0336-6112248

☆ تنظیمی فکر سے ہم آہنگ گھرانے کی بیٹی، عمر 22 سال، تعلیم ایم ایس سی میتھس، قد "4-'5 ستر وحجاب کی خوگر، صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لیے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید اور رسموں کی پرستش سے آزاد والدین رابطہ فرمائیں۔

برائے رابطہ: 0331-6126244
0321-4770587

☆ کراچی میں رہائش پذیر فیملی کی 31 سالہ بیٹی، مطلقہ، تعلیم ایم ایس سی میتھس، 4 سالہ عالمہ کورس، شرعی پردہ کی پابند، خوب صورت، خوب سیرت کے لیے دینی مزاج کے حامل نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0332-3214459

دعائے مغفرت
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

☆ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی مجلس شوریٰ کے رکن اور تنظیم اسلامی کے رفیق جناب غازی محمد وقاص کے والد غازی محمد اسحاق وفات پا گئے

☆ حلقہ حیدر آباد، سٹی تنظیم کے ملتزم رفیق تنویر احمد قاضی کے والد وفات پا گئے

☆ فورٹ عباس کے نقیب اسرہ مختار احمد کے سسر وفات پا گئے

☆ تنظیم اسلامی بہاولپور کے رفیق جناب محمد اشرف کی خوش دامن وفات پا گئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ
فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

A True Story of How a Punk Accepts Islam...

A real life experienced shared by a sister

Let's start at the beginning, always a good place...

Life began for me in a place called Chatham in Kent in England way, way back in 1383H/1963CE.

I am a girl, an only child. My parents and their parents and their parents, etc., were all English along with myself so as you can see I am not from an Islamic background.

Anyway, when I was only a little tot of barely 4 years my parents packed up and whooshed us all across the Atlantic to North America. My parents loved it over there but I grew up to hate it. I never got on there no matter how hard I tried. With my limited knowledge I felt English at heart (may Allah *SWT* protect me from feelings of nationalism and other such nonsense) and my mission in life was to return to the UK. I had a long wait in front of me.

Alhamdullillah, All my life, in spite of the usual selfish non-Islamic lifestyle I led, my love towards my Creator *SWT* was always in the background. But, due to my pride and insecurity, I clung to the antics of my generation. This was the age of punk rock (late 80's through late 90's). I became drawn into this scene when I was 14. Due to my difficult upbringing from a household full of violence and perversion I entered into this rage with gusto – (*Astaghfiru-Illah*, may Allah *SWT* forgive me, Aameen!). Those whom I called my friends back then were merely inmates within a prison we had made for ourselves.

I never completed school, never acquired a career and was generally an aimless individual. I was the epitome of what a person is when she does not worship her Creator *(SWT)*.

I worked and saved my money until I had enough to finally get back to England. I was 25 years old. All I had was a suitcase in my hand, the future ahead of me, and my sins behind me.

All my life (as I had mentioned above) especially in the quiet moments, you know, when the hustle and bustle of daily life comes to an end and it's night-time and there you are alone in your bed, I would think of Allah *(SWT)* although I only knew Him as 'God'. I knew my mistakes, I knew my sins. Well you do don't you when you're alone and you don't have to pretend in front of anyone. Many nights I cried and prayed in my clumsy way for help.

I still dressed outrageously with spiked hair, bizarre eye make-up, leather jacket - the works. I was weak – as we all are, but weakness combined with insecure pride is a volatile combination. Over the years here in England not much changed. More and more I remembered how every time throughout my life I had seen something to do with Islam, it always touched me deeply in a place where nothing had ever touched me.

I always used to wonder at this because the feeling felt so pure, so unique, so true and dignified. Over the years I didn't pursue its implications because I suppose it frightened me (Allah *SWT* knows best). But since being in England the feeling for Islam became stronger and stronger until it was on my mind daily.

I had a room-mate whom I was close to and I would sometimes talk about my feelings for Islam and how I didn't understand the strength of the feeling. I did not know any Muslims and nothing about Islam except that Muslims read the Qur'an. I knew that there was a mosque, sort of nearby, and sometimes I saw people who I thought were Muslims and that was it.

Then, one day, almost 4 years ago myself and my, then, room-mate were walking down one of

the main roads we have. It was a pleasant sunny day and the shade of the trees was cool and still I was dressed in my ridiculous gear. Out of nowhere I stopped and turned to my friend and said, "I've got to do it, I've got to become a Muslim today." How can I explain to you the feeling I felt at that moment which made me say these words. It had been building up gradually for a little while and on that pavement I felt such joy, such tearful joy and I was truly overwhelmed.

Allah *(SWT)* had chosen the time! My friend was shocked and I had to try hard to stop myself from audibly crying. It was the most incredible thing. Without embarrassment as to my appearance I went to the *Masjid* I had seen a long time before and took my *Shaha'dah* (declaration of faith).

Out of the choice of names I chose the one that meant the most to me and began my new life. A sister gave me a *hijab* and *niqab* the next day and since then I have worn nothing else when leaving my home. I was like a baby again. When I began attending *halaqat* (study circles) I saw how the other sisters carried themselves. Always, always they mentioned Allah's *(SWT)* name with such ease and for the first time felt the joy of being in the company of those who loved Allah *(SWT)*.

It was then that I realized the answers to so many questions I didn't realize I had been asking all my life.

Al-hamdu li-Llaah, my *fitrah* (natural pure state humans are born upon) won through and Allah *(SWT)* guided me to the True Deen (His religion, Islam).

To look at me then, any person would have thought me such an unlikely candidate, but Allah *(SWT)* sees us for who we really are and He guides whom He wills. I have taught myself to read 'Arabic and am learning *Tajweed* (correct pronunciation of reciting the Qur'an). I am surrounded by so many Muslims who fear Allah *(SWT)* and whom I see often. I mean none of my above mentioned achievements as pride, indeed I wouldn't mention them at all if it wasn't for this introduction because I want to stress how Allah *(SWT)* can change a person so incredibly, if He chooses as He *(SWT)* changed me.

It is a real blessing how far I have come. My time now is spent studying, endless computer work towards the Deen and giving *Da'wah* (calling to Allah's *SWT* religion). I seek guidance from Allah *(SWT)* to increase my knowledge and understanding of the Deen and pray for His *(SWT)* mercy & pleasure in this world and in the Hereafter, Aameen!

VOL : 26 **Regd. C.P.L NO. 114** No.5

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore